

حسب



بانی فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ کی مکمل و پختہ شرح عمری

باطنیہ اور اسماعیلیہ وغیرہ کے مفصل و محقق حالات بڑی پختہ کیسار جی میں

مصنفہ
مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شریاۃ و لکھنؤ

ترمیم و اصلاح جدیدی ترتیب و تہذیب سے

بہ اتمام
حکیم محمد سراج الحق پتہ پشاور و لکھنؤ

۱۹۲۲ء میں
لکھنؤ پریس لکھنؤ کٹرہ پرنٹنگ میخان میں چھپ کے

مشاہیر

سخن سخا
 یہ سہ ماہی رسالہ جنوری ۱۹۸۶ء سے جاری ہے۔
 کے ہوتے ہیں جھکے نظریں مسلمان قاتلانہ ہندی مختصر تاریخ اور حقائق
 شہرہ آفاقین قتل سالانہ دوسرے ان کی فیاضی کے مطابق اور
 ۲۰۰۰ کا ملک آنا ضروری ہے۔

کارخانہ روضہ الرمان کفنہ کا اے

آپ ایک دفعہ آدھ کے تو دیکھیں
 عطر کے لیے کفنہ لکھنؤ پر جو گرا سنوس ہے کہ جو عطر ہے وہ باہر
 نو کروں کے ہاتھ ہے اور ان کے دل فضل کا خیمہ ان غریبوں پر
 اور بے روئے خریدنے پر مجبور ہیں اور بعض مشتہار دینے والوں
 کھنجر چار کو بھیج رہے ہیں۔ یہ عام خرابیاں دیکھ کے ہم نے ذمہ لیا۔
 ان کے لیے معتبر اور مستند کارخانہ روضہ کے عطر اعلیٰ درجے کے تیل
 حلی کے اور کئی ایک خرید کر کے روانہ کر دیا کہین جس کا بہت
 کیا ہے عطر کے شائق ایک تار مٹھا نا ملگو اگر دیکھ لیں کہ ہمارے ذریعہ
 داموں کو ملتا ہے۔ یہ بھی غرض کر دیا ضروری ہے کہ پھر اگر انی صن
 ہو گیا ہے اور محصول بجائے ۴۴ سیرے ۱۱ سیرے کیجیے
عطرون کی فہرست حسب ذیل

عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ

موسم و اربیلون کی فہرست

عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
------------	------------	------------

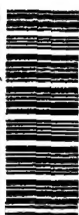
اعلیٰ رجب کا خوشنوار عطر ہام

عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
------------	------------	------------

عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ	عطر خاقیوہ
------------	------------	------------

عطر خاقیوہ - دو سو ست آتے ہیں دینی ایل روانہ ہو گا بار بار دیکھنا
 یہ کارخانہ اہم حکم کے تحت جاری ہے۔

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U6093



تمہید
اول فردوس برین کی تصنیف نے حسن بن صباح کی زندگی کا ایک خاکیرے داغ میں قائم کر دیا تھا چنانچہ سلسلہ محمدی مطابقت عقلم میں جب دگلڈز ہیلی مرتبہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوا تو امین نے آخر سہ ماہیہ میں اس نامور شخص کے حالات زندگی مرتب کر کے دگلڈز کے چار نمبروں میں شائع کرائے۔ یہ حالات زیادہ تر انگریزی اور بعض عربی و فارسی تاریخوں سے ماخوذ تھے۔

یہ جب اہم پیارم یا رشتی محمد شارقین مرحوم نے میری اجازت سے فردوس برین کو ہیلی مرتبہ شائع کیا تو انھوں نے اصرار کیا کہ ناظرین ناول مذکور کی مزید دلچسپی کے لیے حسن بن صباح کی لائف کے مضامین بھی ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر دیے جائیں۔ میں نے ان کے ارشاد کی تعمیل کی اور سہ ماہیہ میں فردوس برین کی اشاعت کے ساتھ ساتھ یہ لائف بھی انھوں نے جداگانہ لائف کی اور ملک میں اس قدر پسند کی گئی کہ مختلف مطابع میں چھپنے کے علاوہ کچھ اور زبان میں بھی اس کا ترجمہ شائع ہو گیا۔

اس دن اس سال کے اندر مطابع کی بے احتیاطیوں سے یہ رسالہ روز بروز غارت ہی ہوتا گیا اس کی اصلاح سوا اس کے اور کسی تہیہ سے نہ ہو سکتی تھی کہ مطبع دگلڈز کی جانب سے اس کا ایک ہی درجہ کا لائبریری ایڈیشن شائع کیا جائے۔ چنانچہ اس خیال سے میں نے اس پر از سر نو نظر ڈالی۔ مگر عنوان قائم کر کے اسے عمدہ طور پر مرتب کیا کسی قدر اضافہ کیا اور جان روزمر کی ضرورت لکرائی۔ اس میں کچھ دیر بے نتیجہ رہا۔

اب اس کا ایک نئی کتاب بنا کے یہ رسالہ اب شائع کیا جاتا ہے جسے امید ہے کہ نئے تاریخ نگاروں کو پسند فرمائیں گے۔ فقط

خاکسار محمد عبدالحلیم قریشی ایڈیٹر دگلڈز۔ لکھنؤ
یکم مئی ۱۹۷۷ء

فہرست مضامین حسن بن صلاح

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۴	باطنیوں کا استیصال۔	۱	تہنید۔
۵۶	سندھ اور ہندوستان کے باطنی۔	۴	ولادت اور نشوونما۔
۵۸	اسماعیلیوں یا ہورون کی اہمیت۔	۱۰	مذہب اسماعیلیہ اختیار کرنا۔
۵۹	ایمان کے موجودہ باطنی۔	۱۳	اُس کی تباہی و آوارہ گردی۔
۶۰	شام کے موجودہ اسماعیلیں، درو۔	۱۵	قلعہ القونٹ۔
۶۷	سودانی اور خضروی۔	۱۷	اُس کا مذاہب اور اُس کی حکومت۔
۶۸	نصیری۔	۱۹	اُس کا تہذیب و ارتقا۔
۶۹	ایران کے بابی۔	۲۰	اُس کی جنت۔
۷۱	خاتمہ۔	۲۲	اُس کے پیروں کے تین گروہ۔
		۲۵	حسن بن صلاح اور سلطان شجر۔
		۲۷	اسماعیلیہ تراویط۔ اور باطنیہ کا استیصال اور امامت کی تحقیر تاریخ۔
		۳۳	حسن بن صلاح کے مرید اور اُن کے اخوت۔
		۳۴	دنیا میں بنی چل۔
		۳۵	طلب کا باطنی حاکم۔
		۳۶	تسین کی وفات۔
		۳۷	اُس کا جانشین کیا بزرگ۔
		۳۸	محمد بن کیا بزرگ۔
		۳۹	خدا یوں کا زہر اور انکا دست قلم۔
		۴۰	حسن بن محمد کیا بزرگ۔
		۴۱	حسن کا دعویٰ امامت۔
		۴۲	محمد بن حسن شاہ القونٹ۔
		۴۳	حالیہ عیال یوں پر باطنیوں کے حملے۔
		۴۴	حسن ثالث شاہ القونٹ۔
		۴۵	محمد ثالث شاہ القونٹ۔
		۴۶	مکرّم الدین خورشید شاہ آخری بادشاہ عالم القونٹ۔



حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا

مہتمم

نعت خان عالی نے اورنگ زیب کے دونوں بیٹوں کی لڑائی کی تمہید میں اس امر کی خوب خوب مثالیں دی ہیں کہ ایک ہی جگہ سے دو چیزیں نکل کے کیسی کیسی مختلف حالتوں کا نمونہ بنتی ہیں (ایک سیپ سے دو موتی نکلتے ہیں۔ ایک تاج شاہی کو دو فن دیتا ہے۔ اور دوسرا کھل میں پسکر برہم بنتا ہے۔ ایک شاخ پر دو پھول کھلتے ہیں۔ ایک کسی خوب رو کے سینے پر پہنچتا ہے۔ اور دوسرا باد مخالف سے مرجھا کے گرتا ہے۔ اور آٹے جانے والے اُسے پامال کرتے ہیں۔ ایک رحم سے دو بھائی نکلتے ہیں۔ ایک علم و تحقیق کے ملائے اعلیٰ پر پہنچتا ہے۔ اور دوسرا جہل و ضلالت کے قعر میں گرتا ہے۔

دنیا میں ایسی عبرت انگیز مثالیں بہت ہیں۔ مگر یہ شخص جن کے حالات ہم بیان کرنا چاہتے ہیں شاید سب سے زیادہ حیرت انگیز و دل

میں ایک خاص قسم کا جوش پیدا کر نیوالی مثال ہے۔ یہ پانچویں صدی ہجری
 کی ابتدا کا زمانہ ہے کہ امام موقوف الدین سرزمین قارس میں مرکوز ہوئے
 ہوئے ہیں۔ اور ان کے حلقہ درس میں دور و دراز سے لوگ آئے شریک
 ہوتے اور دولت علم سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ انھیں طلبہ میں تین نوعی
 الاصل شخص تھے جن میں سرور کا نام حن اور تیسرے کا نام عمر تھا۔ ان میں
 باہم بہت ربط و ضبط تھا۔ اور اس قدر دوستی تھی کہ ہر ایک دوسرے
 کی ہمدردی و حاجت روائی کے لیے تیار رہتا تھا۔ ان تینوں طلبہ نے جن میں
 سے ہر ایک آئندہ مدارج زندگی میں ایک نامور اور نہ مٹنے والی مثال ثابت
 ہونے والا تھا۔ ایک دن بیٹھ کے آپس میں معاہدہ کیا کہ ہم تینوں میں سے
 جس کو کامیاب و باہر دکرے اور دولت مند کی اور جاہ و حشم کے درجے پہنچا
 اس کا فرض ہوگا کہ باقی دونوں دوستوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا
 شریک کرے اس عہد کو سب نے جوش و خروش سے قبول کیا۔ اور مضبوط
 عہد و پیمان اور قول و قسم سے اس معاہدے کی تکمیل ہوئی۔
 چند روز بعد یہ تینوں طلبہ اپنی تعلیم پوری کر کے مدرسے سے نکلے
 اور ہر شخص دنیا کے وسیع میدان میں قسمت آزمائی کرتا ہوا چلا۔ دونوں
 حضون میں سے ایک تھوڑے ہی زمانے میں دربار سلجوقی تک پہنچا۔ اس
 دربار نے بڑی قدر دانی سے کام لیا۔ وزیر اعظم بنا کے ایک عظیم الشان سلطنت
 کی باگ اُس کے ہاتھ میں دیدی اور ایک معزز خطاب دے کے اُسے نظام الملک
 طوسی کے نام سے دنیا میں چکایا۔ یہی وہ نظام الملک ہے جس کی خوبیوں کا
 زمانہ ہمیشہ محترم رہے گا۔ اور جس کے فیض و کرم کا ایک نمونہ مدرسہ نظامیہ
 بغداد تھا۔ دوسرے طالب علم کو دنیاوی ثروت تو نہیں حاصل ہوئی۔ مگر عمر حیا

کے لقب سے زمانے میں ایک زبردست مہندس ایک عالی دماغ فلسفی۔ اور ایک فلسفیانہ شاعر مشہور ہوا۔ جس کی رباعیات آج تک ہر صاحب ذوق کے ہاتھ میں ہیں جس کا درست کیا ہوا حساب سینیں آج تک پارسیوں کا دینی مسئلہ جس کے خیالات آج یورپ کے ایک خاص گروہ کا فلسفہ ہیں۔ اور جس کے نام نے لندن میں فی الحال ایک ختام کلب جاری کرایا ہے۔ تیلر طالب علم یعنی نظام الملک کا ہمنام حق وہ حق بن صنایع ہے جس کی اس وقت ہم لائف لکھنا چاہتے ہیں۔ اور جس کو مسلمان چاہے وقت کی نگاہ سے نہ دیکھیں مگر یہ ہے کہ اُس کا ہندوؤں ہم سبقوں سے بڑھا ہی ہوا ہے۔ خود نظام الملک بن صنایع کی طبیعت سے واقف تھا اور کہا کرتا تھا کہ عنقریب شخص ضعیف الاعتقادوں اور عوام الناس کو ہبکا کے بہت خراب کرے گا۔

تہذیبی میں ایک اور دلچسپ واقعے کے بیان کر دینے کی بھی ضرورت ہے۔ فری میسنری (یعنی فرامش لوگوں کی) سوسائٹی مسلمانوں کو بالکل ایک نئی چیز معلوم ہوتی ہے۔ موجودہ فری مین اپنے اصول کی بنیاد کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت اس وقت تک ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ لیکن بڑی حیرت کی یہ بات ہے کہ سب سے پہلے اسی قسم کی ایک عظیم الشان سوسائٹی اسلام کے فرقہ اسماعیلیہ میں قائم ہوئی تھی جس کا بانی مذہب اسماعیلیہ تھا۔ اور خلفائے فاطمیہ مصر میں رہتے تھے۔

اسماعیلی مذہب چونکہ اندرونی سازشوں اور رازداری کے طریقے سے قائم ہوا تھا۔ لہذا اس کے پروا اپنے روز کو صرف اُسی شخص پر ظاہر کیا کرتے تھے جو ان کا ہم عقیدہ ہوا اور ان کی سوسائٹی میں شریک ہو جاتا۔ اسی مذہبی رازداری کی ضرورت سے سب کے پہلے ایک بہت بڑا لاج (فرامش خانہ) افریقہ کے شہر

قیروان میں قائم ہوا۔ اور چند روز بعد جب مصر کا شہر قاہرہ فاطمیوں کا دارالخلافہ
 قرار پا گیا۔ تو وہ لاج بھی قیروان سے منتقل ہو کے قاہرہ میں آ گیا۔ اس لاج کے
 پریذیڈنٹ کا لقب "داعی الدعات" ہوتا تھا۔ جو فری مینوں کے گرنڈ ماسٹر کا
 قائم مقام تھا۔ مگر اس گرنڈ ماسٹر کے اختیارات بہت زیادہ وسیع تھے۔ اس لاج
 میں ہر ہفتے میں دو مجتہدین ہوتے تھے۔ جن میں صرف وہی لوگ شریک ہو سکتے
 تھے جو اپنے درجے کے لحاظ سے مجاز ہوں۔ ان جلسوں میں پوری رازداری
 سے کام لیا جاتا تھا۔ اور انھیں مجتہدوں میں داعی الدعات بادشاہ یا خلیفہ سے
 مل کے اپنے رموز کے متعلق کچھ دیا کرتا تھا۔ علامہ مقریزی کا بیان ہے کہ اس
 لاج کے پہلے سات ہی درجہ (ڈگریاں) تھے مگر قاہرہ میں آنے کے بعد
 نو ڈگریاں ہو گئیں۔ جن کو حاصل کر کے لوگ اپنے مدارج میں ترقی کرتے۔
 پہلی ڈگری یہ تھی کہ نئے شریک جلسہ کے سامنے قرآنی مذہب کی دشواریاں
 اور دین اسلام کے متعلق مختلف قسم کے شبہات و شکوک پیش کیے جاتے تھے
 اور اس وضع سے کہ نئے مرید کے دل میں اصلی رموز کے حل کرنے۔ ان دشواریوں
 کے مٹانے اور شبہات کے دور کرنے کا بیتا بانہ شوق پیدا ہو تب چند عمومی
 اصول مذہب اسماعیلیہ اس پر ظاہر کیے جاتے۔ اور اس سے عہد لیا جاتا کہ اپنے
 معلم یا داعی کی ہر بات کو بے غدار اور بغیر کسی حجت و کما کر کے تسلیم کر لے گا۔ دوسری
 ڈگری میں مسئلہ امامت حل کیا جاتا۔ اور وہ رموز ربانی بتائے جاتے جو
 امامت سے وابستہ ہیں۔ تیسری ڈگری میں مذہب اسماعیلی کے خاص عقائد بتائے
 جاتے۔ اور اس امر کی تعلیم ہوتی کہ اماموں کا شمار سات ہے۔ اور اسماعیل
 بن جعفر صادق علیہ السلام سب سے بڑے امام تھے۔ چوتھی ڈگری میں یہ بہت
 بڑا اور اہم مانتا بتایا جاتا کہ ابتداء سے تخلیق عالم سے اس وقت تک صرف سات

ناموس آئی یعنی صاحب شریعت پیغمبر ظاہر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ناموس
پیغمبر کی شریعت میں ضروری ترمیم کی۔ ان ساتوں پیغمبروں میں پھر ماقوت بیانہ
تھی۔ اس لیے کہ انھوں نے زور و شور سے اور علی رؤس الاشہاد احکام بانی
ظاہر کر دیے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک خاموش پیغمبر بھی تھا جس کا فرض
یہ تھا کہ بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے اپنے ساتھ واسلے گو یا پیغمبر کی شریعت کو مضبوط
کے۔ وہ سات ناموس آئی یہ تھے۔ آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ عیسیٰ۔ اور
محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور اسماعیل بن جعفر صادق۔ اور ان کے ساتھ
واسلے خاموش پیغمبر تھے۔ شیت۔ سام۔ اسماعیل۔ ہارون۔ شمعون۔ (جن
سے بطرس حواری مراد ہے) علی بن ابی طالب۔ اور محمد بن اسماعیل بن
جعفر صادق۔

باخون ڈگری کی یہ تعلیم تھی کہ ہر خاموش پیغمبر نے ترویج دین کے لیے
اپنی طرف سے بارہ داعی مقرر کیے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا جاتا تھا
کہ برکت و فضیلت کے لحاظ سے سات کا عدد بارہ کے عدد سے بڑھا ہوا ہے یہ
پانچ نیچے کی ڈگریاں تھیں جن کی تعلیم میں عقائد اسماعیلیہ بتانے کے ساتھ زیادہ کوشش
اس امر کی کی جاتی تھی کہ مرید کے دل میں اپنے نقیبوں اور داعیوں یعنی حلوں کی بہت
زیادہ وقعت پیدا ہو جائے۔ اور وہ آنکھیں بند کر کے ہر امر میں تقلید کرنے لگیں۔ اوپر
کی ڈگریوں میں زیادہ اہم نمونہ بتائے جاتے چھٹی ڈگری میں یہ اصول ذہن نشین
کیا جاتا کہ احکام شرعی فلسفہ اور عقل کے تابع ہیں یعنی شرعی فلسفہ پر حاکم نہیں بلکہ فلسفہ
شرع پر حاکم ہے۔ ساتوں ڈگری میں اصوات کے نمونہ اور ان کے قائم مقام
حرفوں کی قوت بتائی جاتی تھی۔ یا یون کہنا چاہیے کہ علم جفر کی تعلیم ہوتی تھی جس
میں اصوات و حروف کی قوت سے بڑا کام لیا گیا ہے۔ اس فن کو وہ ایک

بہت بڑا مقررہ بانی تصور کرتے تھے آٹھویں ڈگری میں حرکات و افعال انسانی کا باہمی اتحاد بنا یا جاتا۔ اور نویں ڈگری میں یہ آخری سبق ملتا کہ یقین کسی چیز کا نہ کرنا چاہیے اور جرات ہر امر میں اور ہر کام کے لیے ضروری ہے۔

الغرض جس زمانے کا ذکر ہم بیشتر کے متہدی واقعہ میں بیان کر آئے ہیں ان دنوں مصر میں یہ بہت بڑا اسماعیلی لارچ قائم تھا۔ اور اپنے نقیبوں اور داعیوں کو ترویج مذہب اسماعیلیہ کے لیے اطراف عالم میں پھیلا رہا تھا یہ داعی بلا دور دور اند میں جا کے چپکے ہی چپکے لوگوں پر اپنا اثر ڈالتے تھے۔ اور اسماعیلیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اسی نازک زمانے میں حسن بن صباح پیدا ہوا اور اسی دور میں اس کا نشو و نما ہوا۔

ولادت اور نشو و نما

وہ چوتھی صدی ہجری کی ابتدا ہی میں اضلاع خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوا تھا۔ باپ ایک معمولی شخص تھا۔ اور کسی قدیم عربی شاعر نامور صباح حمیری سے اپنے سلسلے کو ملاتا تھا۔ اپنے مذہب کے متعلق حسن خود کہتا ہے کہ میں اپنے آباؤ اجداد کی طرح مذہب شیعہ اثنا عشریہ کا پابند تھا۔ اور ساتھ ہی برس کی عمر ہی میں کہ مذہبی تحقیق اور اصلاح خیالات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مگر دوسرے لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن کا باپ مذہب اہلسنت کا پابند تھا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ حسن بچپن ہی سے اپنے آپ کو مجاہد اہلسنت میں شامل کرنا تھا خود اس کے باپ نے حسن کو امام توفیق الدین کے حلقہ درس میں پہنچایا۔ اور کوشش کی کہ اسے عام ملکی مذہب کا پابند بنائے۔ اور کیا عجیب

کہ سونے الدین نے اس کی کوشش بھی کی مگر کچھ کارگر نہ ہوئی۔ اس لیے کہ حسن دل سے مذہبی
شیعہ ہی کو مذہب حق سمجھتا رہا۔ مدرسے میں ہم مکتبوں سے معاہدہ کر کے جب باہر نکلتے تو
مختلف مقامات میں پھرتا رہا۔ مگر کسی جگہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور نہ کوئی ایسا مشغلہ ملتا
تھا جو اس کی بلند ہمتی کے مناسب حال ہو۔

غریب الوطنی میں پھر چلا رہا تھا کہ اپنے ہم کتب نظام الملک کو خلعت وزارت
سے آراستہ بنا کر اس کے غنہ کو روانہ ہوا۔ اور ملتے ہی ایفائے وعدہ کی درخواست
کی۔ نظام الملک نہایت ہی نیک نفس اور پاک طینت لوگوں میں تھا۔ اس نے حسن کو اپنے
پاس مقرر کیا۔ اور بادشاہ سے ملا کے فرما ایک بہت بڑے اور اپنے برابر کے عہدے پر
منتاز کرادیا۔ مگر فلسوس کہ حسن جن خیالات کا آدمی تھا ان کی تکمیل نظام الملک کے اختیار
رہنے میں کیسے ممکن ہو سکتی تھی اس کے لیے تو ایسے اختیارات چاہیے تھے جن میں اور کسی کی شرکت
نہ ہو۔ اور شاید ایسی وجہ سے وہ اپنے محن نظام الملک کے گرانے کے درپے ہو گیا۔

ایک دن ملک شاہ نے نظام الملک سے پوچھا کہ ایسی ایک کمل پورٹ
جس سے تمام قلم و سر کے محاصل و مخارج کی تفصیلی حالت معلوم ہو جائے تم کتنے دنوں
میں تیار کر سکتے ہو؟ یہ ایک عظیم الشان سلطنت تھی جس کی قلم و ملک روم و مصر
سے لے کے خراسان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس زمانے میں جبکہ دفاتر آج کل کے
سے صاف اور مرتب نہ تھے ایک ایسی فہرست کا بنالینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن
دشدار یون کا خیال کر کے نظام الملک نے کہا دو سال میں یہ لیکن حسن بن صباح
نے جو اس وقت حاضر و بار تھا اور نظام الملک کو بادشاہ کی نظر میں سے گراتا
چاہتا تھا بڑھ کے کہا مگر میں تو ایسی فہرست صرف چالیس دن میں تیار کر دوں گا۔
ملک شاہ کو تعجب ہوا۔ اور نظام الملک خاموش رہ گیا۔ امتحاناً بادشاہ نے یہ خدمت
حسن ہی کے سپرد کر دی۔ ۷۰ دن گزرے۔ حسن بن صباح اپنی رپورٹ لے کے حاضر دربار

ہوا۔ اور دو بادشاہ کے سامنے پیش ہو گئی۔ نظام الملک بھی ایک کوٹنے میں سہما
کھڑا ہے کہ دیکھیے میرا کیا حشر ہوتا ہے۔ اگر یہ پورٹا بند آگئی تو میرا تپ بھی نہ لگے گا۔
ملک شاہ نے پورٹا کو دیکھ بھال کے بعض جزئیات کو حق سے پوچھنا شروع کیا
اور ایسے سوالات کیے کہ حق کو جواب دینے نہ بنی اور مہموت کھڑا رہ گیا۔ نظام الملک
کے لیے اس سے عمدہ کون سا موقع ہو سکتا تھا؟ بڑھ کے دست بستہ عرض کیا
"ابھین شکات کے خیال سے جن لوگوں کو خدا نے عقل دی ہے کافی مہلت
مانگتے ہیں تاکہ اُس معاملے کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اور کسی امر سے ناواقف نہ ہوں
ملک شاہ جو حق کے کیر کرے کو پہلے ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھ چکا تھا۔ اب اُس کے
غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ سخت برہم ہوا۔ اور ابرادہ کیا کہ حق کو مزاد سے۔
گر نظام الملک کی سفارش سے یا خود ہی ترس کھا کے اتنے ہی پر کفایت کی
کہ دربار سے نکلوا دیا۔ مگر وہ دربار سے نکلا تو نظام الملک طوسی کے متعلق ایک
خار و دل میں لیتا گیا۔ لیکن حقیقت میں یہ پہلی ناکامی ہی حق کے لیے ذریعہ ترقی
ہو گئی۔ اُس کا مزاج اور اُس کا حوصلہ جس میدان کو ڈھونڈ رہا تھا اس کو
بہت ہی رفیع اور بے انتہا وسیع ہونا چاہیے تھا۔ جس جگہ کسی کی ماتحتی اور
کسی قسم کے قیود ہوں وہاں کی آپ وہاں میں حق کے سے آزاد خیال شخص
کے لیے ناکامی و رکنا۔ جان کا بھی اندیشہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس میں شک
نہیں کہ ایسے لائق اور فطین شخص کا آزادی سے چھوڑ دیا جانا بھی نہایت
اندیشہ ناک امر تھا۔ اور خصوصاً اُس زمانے میں جبکہ مختلف خیالات اور
مختلف عقائد کے دعویداروں سے زمانہ بھرا ہوا تھا۔ خصوصاً قاہرہ کے
زہرہ دست لاج کے نقیب اور داعی تو ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے اور حکومت
اسلام کے دامن میں صد مخفی سازشیں۔ اور نہ اندامی کی خفیہ کارروائیاں

ہو رہی تھیں اکثر نے جلنے والوں کا ظاہر مذہب کچھ متواتر تھا اور حقیقی مذہب کچھ
 اس قسم کی دعوت کو قبول کیا آج کل کی اصطلاح میں کہا جائے کہ مشرکوں
 کی ابتداء اسلام میں بنی امیہ و مشق کے آخری دور سے پڑی تھی جب کوئی ظاہری
 قوت بنی امیہ کا نہ ورنہ توڑ سکی تو بنی ہاشم نے یہ کوشش شروع کی کہ اپنے
 معتقدوں اور طرفداروں کو داعی اور نقیب کے لقب سے دنیا میں پھیلاؤ شروع
 کیا جو ہر جگہ جاتے تھے بظاہر تو سلطنت کی اطاعت کرتے اور باطن میں لوگوں
 سے بنی ہاشم کے لیے بیعت لیتے اس قسم کے ہزارہا داعی اور نقیب خراسان
 سے شام تک پھیل گئے جنھوں نے اندر ہی اندر بقول ہمارے مقتنون کے
 ایک بھک سے اڑ جانے والا مادہ بچھا رکھا تھا جس میں ایک ذرا سی جنگاری
 پڑتی ہی ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ بنی امیہ کی سلطنت بیچ دوں سے اٹھ کر کے
 دنیا سے غائب ہو گئی اور بنی ہاشم کا دور شروع ہوا اتفاقاً اس انقلاب میں
 قسمت کا قرعہ بنی ہاشم میں سے بنی العباس کے نام پڑا اور بنی فاطمہ کو چند ہی روز
 میں نظر آیا کہ جس طرح پہلے بنی امیہ عام بنی ہاشم کے دشمن تھے اب بنی عباس بنی
 فاطمہ کے دشمن بن جو کہ آل رسول اور پیچھے مستحق دراشت نبوی ہیں الغرض اب
 بنی عباس کی حکومت کے زمانے میں بنی فاطمہ کو دعوے مخالفت تھا جو عمر
 خاندان کے زیر کرنے اور خلافت کو اپنے ہاتھ میں لانے کے لیے انتہا سے نہ پاؤں
 بے چین تھے اور خرابی یہ تھی کہ ان میں بھی باہم اتفاق نہ تھا مختلف سرسبز اور دگ
 بنی فاطمہ مختلف مقامات میں دعوے دار امامت و خلافت تھے قاعدے کی بات
 ہے کہ جہاں کوئی تدبیر ایک دفعہ کامیاب ہو جاتی ہے پھر سب لوگ اسی پر
 عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں لہذا سب نے اپنے اپنے داعی مقرر کر کے پھیلا دیے
 بنی فاطمہ اگر سب مل کے اور متفقہ کوشش سے کسی خاص شخص یا ایک امام

کے لیے کوشش کرتے تو ممکن نہ تھا کہ کامیابی نہ ہوتی۔ مگر چونکہ باہم اختلاف تھا اور ایک کے نقیب و داعی دوسرے کو بڑا اور باطل بتاتے تھے۔ لہذا ہمیشہ یہ ہوا کہ ایک کی کوشش نے دوسرے کو توڑا۔ اور سچی عباس کے مقابلے میں کبھی کوئی ایسی مجموعی قوت نہیں قائم ہونے پائی جیسی کہ بنی امیہ کے خلاف قائم ہو گئی تھی۔

خیر کامیابی و نا کامیابی سے توجہ نہیں گریہ ضرور تھا کہ ہر جگہ انھیں بزرگوں اور اماموں یا ان کے طرفداروں کے نقیب پھیلے ہوئے تھے اور ہر شخص کو اپنے امام کا مرید و معتقد بناتے رہتے تھے۔ خصوصاً اسماعیلیہ مصر کے نقیب اور داعی گو تظاہر سخی عباس کی اطاعت کرتے مگر باطن میں شام سے لے کے خراسان تک ہر جگہ الٹا اثر پھیلا رہے تھے۔ جبکہ دنیا کی یہ حالت ہو رہی تھی ایسے وقت میں کسی شخص کا بے سرو پا چھوڑ دیا جانا ویسا ہی تھا جیسے کہ آج کل کسی بے روزگار آوارہ گرد کے لیے ڈر ہے کہ جلا وطن کر دی جائے۔ کمپنیاں کسی نوآبادی میں نہ پہنچا دین۔ یا جیسا کہ مشرقی کچھ لالچ دلائے کہ چین نہ بنالین۔

مذہب اسماعیلیہ اختیار کرنا

مکہ شام کے دربار سے نکل کے حسن بن صباح اصفہان پہنچا اور وہاں کے رئیس اور مجتہد ابوالفضل نے بڑی خاطر ملاقات کی۔ مگر ایک دن چن کی زبان سے یہ جملہ سن کے کہ "اگر مجھے دو باتیں بچے دوست مل جائیں تو سلجوقی سلطنت کو الٹ دوں" دل میں کہا یہ نیا مہمان شاید دلوں ہو گیا ہے اس لیے کہ اس کی جو حالت و حیثیت ہے اس کے لحاظ سے بزرگ سلطنت سلجوقیہ کے مٹانے کا دعویٰ جو شہر خلب سے کا شغر تک پھیلی ہوئی ہے

سو کسی مجنون کے کوئی ذی ہوش نہیں کر سکتا۔ ابوالفضل کو حن کی دیوانگی کا بیان تک یقین ہو گیا کہ ایک طبیب کو بلا کے اس کا علاج بھی شروع کر دیا۔

چند روز بعد ان نادان بیمار دارون سے پیچھا چھڑا کہ حن بن صباح آوارہ گردی کرتا ہوا چلا۔ اور ادھر ادھر مارا پھرنے لگا۔ اور آخر وہی ہوا جس کا ہم نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ یعنی اُسے ایک رفیق ملا جس نے انتہائے لیاؤ دوستی بڑھا کے اور خلوص پیدا کر کے ظاہر کیا کہ دنیا میں مذہب اسماعیلیہ سے بہتر کوئی مذہب نہیں۔ اور خلفائے مصر کا وہ اصلی اور حقیقی امام ہیں جن کی پیروی ہر مسلمان پر فرض ہے۔

حن کو ایک فلسفیانہ خیال کا آزاد مشرب آدمی پائے اُس نے اپنی دعوت کو اس طریقے سے شروع کیا کہ طریقہ اسماعیلیہ بالکل فلسفیانہ مذہب ہے۔ حن نے اپنی کمزوری نہیں دکھائی کہ اس اسماعیلی دوست کی ہر بات کو تسلیم کر لیتا۔ بلکہ طالب علمانہ طریقے سے بحث کرنے لگا۔ اور دو دن و دو ستون میں شب و روز انہیں مسائل و عقائد پر گفتگو رہنے لگی۔ حن اگرچہ آخر تک اس دوست سے اختلاف ہی کر رہا تھا۔ مگر دل ہی دل میں محترم ہوتا جاتا تھا۔ اور چاہے زمانے سے نہ اقرار کرے مگر دل میں قائل ہو گیا تھا۔ اس رفیق سے جدا ہونے کے بعد حن بیمار پڑ گیا۔ اور ایسا بیمار ہوا کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی اور بچھونے پر بڑا سوت کا انتظار کیا کرتا تھا۔ اس نازک حالت میں گزشتہ واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے اسماعیلی دوست کے دلائل بار بار یاد آتے اور دل میں کتنا بیشک مذہب اسماعیلیہ برحق ہے۔ اور خدا انجائستہ میں کہیں یونہی نہ مر گیا تو باطل پر مردگیا۔ اور حق کے اختیار کرنے سے محروم رہ جاؤں گا۔ الغرض اس بیماری نے اُسے ایسا کر دیا تھا کہ اب جو شفا پائے

اٹھا تو خود ہی کسی داعی اسماعیلیہ کی جستجو میں چلا۔

فقہ و رسد ہی نہ ماننے کی جستجو میں ابو نجم صہباج نام ایک مستند اسماعیلی شخص سے ملا اور اس سے مل کے دوبارہ عقائد اسماعیلیہ کی تحقیق و تنقید کی اور ان پر غور کر کے دل ہی دل میں معترف ہو گیا کہ یہ باتیں جھوٹ اور باطل نہیں ہو سکتیں۔ اب اسماعیلیت کے اصول کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد حن کے دل نے ہر عقیدے اور ہر مسئلہ کی فلاسفی خود ہی دریافت کر لی۔ اور اب فقط اتنا ہی باقی رہ گیا کہ وہ علانیہ اس مذہب کا اعتراف کرے جس کی تیار یان کر ہی رہا تھا۔ کہ نو مین نام ایک اور اسماعیلی شخص سے ملاقات ہوئی جن کو داعی ہونے کی عزت بھی حاصل تھی۔ کیونکہ اس کو داعی عراق شیخ عبد الملک بن عطاء نے اپنے اسماعیلی لارچ کی دعوت اور اسماعیلیت کا مشن بننے کی سند و اجازت دی تھی۔ اس شخص سے ملنے ہی حن نے کہا: زیادہ کئے سننے کی ضرورت نہیں۔ اب آپ بلا تامل مجھے اپنے گروہ برحق میں داخل کر دیجیے۔ بس یہی وقت ہے جب سے حن بن صبراج آشنا عشری شیعیت کو چھوڑ کے مذہب اسماعیلیہ میں شامل ہوا۔ ہنوز یہ طریقہ اختیار کیے اسے زیادہ زمانہ نہیں گزر رہا تھا کہ خود شیخ عبد الملک داعی عراق سفر کرتے ہوئے رے میں آئے۔ جہاں حن ان کی صحبت میں پہنچا۔ اور اس کے چال چلن۔ اس کی دیانت و دانائی۔ اس کی استعداد و سرگرمی کو دیکھ کے انھوں نے اُسے بھی دعوت اسماعیلیہ اور مذہب حق کا مشن بننے کی اجازت دیدی اور کہا کہ: گو میں نے تم کو اجازت دیدی ہے مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم ارض مصر میں جا کے امام زمانہ خلیفہ المنتصر اللہ کی زیارت سے یہی شریاب ہو لو۔ اس نصیحت و ہدایت کا یہ اثر ہوا کہ ادھر تو شیخ عبد الملک عراق واپس گئے۔ اور ادھر حن بن صبراج نے مصر کی تیار یان کر دیں۔

استے ہی دلوں میں حن کی لیاقت و ہوشیاری کی آسمانی عظیمہ مذہب والوں
 میں اس قدر شہرت ہو چکی تھی کہ مقررین اُس کا نام اُس سے پہلے پہنچ چکا تھا
 اور وہ بار امامت اہل بیت علیہم السلام کی تعریفیں ہو رہی تھیں۔ المستنصر بالله
 نہایت ہی اخلاق و مروت سے ملا۔ بڑی قدر دانی کی۔ نہایت ہی معززہ حیثیت
 سے اپنا مقام بنایا۔

اُس کی تباہی و آوارہ گردی

لیکن خلیفہ یا امام کی اس توجہ و حمایت ہی نے حن کے ساتھ دشمنی بھی
 کی۔ اس لیے کہ دیگر مقررین بارگاہ امامت کو اُس پر حسد آیا خصوصاً بدرجائی
 جو عساکر خلافت کا کمانڈر یا چیف تھا وہ تو حن ہی کا پیاسا ہو گیا۔ آخر ایک دن
 موقع پائے کہ اُس نے حن کو چند فرنگیوں کے ساتھ ایک جہاز پر ڈال دیا جو اُس
 وقت لنگر اٹھا کے سوا حل افریقہ کا سفر کرنے والا تھا۔ حن کا کوئی زور نہ چلا
 اور ہوا اور موجوں نے اُسے بچ سمندر میں پہنچا دیا۔ حن کی بد قسمتی یا خوش
 نصیبی سے سمندر میں ایک بڑا بھاری طوفان آگیا جس نے جہاز کو اس قدر
 صدمہ پہنچا یا کہ اہل جہاز میں سے کسی کو بھی زندگی امید نہ باقی رہی۔ حن کی
 کامیابیوں کی ابتدا اکثر ناکامیوں اور بد قسمتیوں ہی سے ہوتی رہی تھی چنانچہ
 یہ طوفان بھی اُس کے لیے ایک بڑا ذریعہ ترقی ہو گیا۔ جب کہ سب جہاز و اسے
 زندگی سے ناامید۔ مایوسی کے ساتھ ڈوبنے اور مرنے کا انتظار کر رہے تھے۔
 اور کوئی اپنے ہوش میں نہ تھا حن کے ہوش و حواس بجاتھے۔ اس کا دل
 اُس کے قابو میں تھا۔ اور وہ اطمینان کے ساتھ ایک نئی تدبیر سوچ رہا تھا۔

چنانچہ اس طوفان پر اُس نے ذرا بھی ہراس نہیں ظاہر کیا۔ اور پھر بے ہوش
 نمانی و غیب دانی کی شان اور خدا رسی کی آن بان کے ساتھ لوگوں سے
 کہا: مگر میرے نزدیک تو اندیشے کی کوئی بات نہیں۔ خدا نے مجھ سے وعدہ
 کیا ہے کہ ہم نہ ڈوبیں گے۔ لوگوں نے حیرت سے اُس کی صورت دیکھی
 اور کیا عجب کہ بعض اُس کی اس بے فکری پر اس وقت ہنس بھی پڑے ہوں
 مگر تھوڑی دیر کے بعد جب طوفان جاتا رہا اور پانی میں سکون ہو گیا تو
 سب دوڑ دوڑ کے اُس کے قدموں پر گر پڑے۔ اس کے خاص اور
 مقبول بندہ خدا اور ایک بڑے زبردست ولی کامل ہونے پر ایمان
 لے آئے۔ اور اُس کے معتقد ہونے ہی سب نے دعوت اسماعیلیہ قبول
 کر لی جن کے مخالفوں کے ساتھ آج کل کے مورخوں کا بھی یہی خیال ہے
 کہ حسن نے یہ سمجھ سکے اور اس بات کو پیش نظر رکھ کر پیشین گوئی کی تھی کہ
 اگر جہاز غرق ہو گیا تو کوئی تکذیب کرے یا لا دنیا میں باقی ہی نہ رہے گا۔ اور
 اگر سچی ہو گئی تو پھر کسی کو میری ولایت میں شک نہ باقی رہے گا۔ ہر حال
 جو کچھ ہو یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور جہاز میں کوئی نہ تھا جو اُس کا معتقد
 و محرف نہ ہو۔

چند روز بعد جہاز ایک ساحل پر پہنچا جہاں کا فرمان بردار
 جیسائی تھا اُس نے جہاز والوں کو سپاہی نہیں بلکہ ایک ماہیان گروہ کے
 ہاتھ میں دیکھ کے شیخ حسن صباح کی دعوت کی۔ اور یہ لطف و مہربانی رخصت
 کیا۔ یہاں سے چل کے چند ہی دنوں میں جہاز سواحل شام سے آگے جہاں
 پہنچتے ہی حسن نے جہاز کو چھوڑ دیا۔ اور خشکی ہی خشکی ایمان کی راہ لی۔
 اس سفر میں صلب، بغداد، تھراسان، اصفہان، تہرہ، اور کرمان۔ غرض

ایشیاسے کو جاک۔ اور ایران کے تمام مشہور بلاد و امصار میں گیا۔ اور ہر جگہ مذہب اسماعیلیہ کی منادی کرتا رہا۔ کہ ان سے وہ پھر صفہان میں واپس آیا۔ وہاں چار بیٹے عشر کے خروستان گیا۔

بہان میں بیٹے قیام کر کے داسخان کی راہ لی۔ وہاں تین سال تک طریقہ اسماعیلیہ پھیلاتا رہا۔ اور بہت سے لوگ اپنے عقیدہ بنالے۔ اس کے بعد اور بہت سے مقامات میں پھرتا پھرتا قلعہ التمنت میں پہونچا۔ اور وہیں قدم جما دیے۔

قلعہ التمنت

التمنت شہر قزوین کے علاقے میں صوبہ رودبار کا ایک قلعہ تھا جسے مع اُس کے مضافات کے لوگ طالقان کے نام سے یاد کرتے تھے۔ قلعہ پہاڑوں کے اندر نہایت بندی پر اور سخت پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر واقع ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ سلاطین دیلم میں سے ایک بادشاہ کو شکار کا بے انتہا شوق تھا۔ اتفاقاً ایک مرتبہ وہ شکار کھیلتا ہوا اس دشوار گزار مقام کے نیچے آ پہونچا۔ وہاں سے باز کو جوڑا یا تو وہ شکار مار کے عین اس قلعے کے مقام پر آگرا۔ بادشاہ اور ہمراہی دوڑتے ہوئے بڑھے اور بہان پہونچ گئے۔ دیکھا تو ایک عجیب محفوظ اور دلچسپ تختہ نظر آیا۔ جس سے زیادہ مضبوط قلعہ کسی جگہ نہیں بن سکتا۔ بس اسی وجہ سے اُس نے بہان ایک عالی شان قصر قلعہ کی شان سے تعمیر کرایا اور اس کا نام التمنت رکھا۔ دیلمیوں کی اصطلاح میں یہ ایک خاص کلمہ تھا جس پر شکاری طیلور سدھائے جاتے تھے۔ چونکہ وہ بادشاہ اور اُس کے لوگ اسی کلمے کو

چلا چلا کے کہتے ہوئے بیان پہنچے تھے لہذا وہی اس مقام کا نام رکھ دیا جو
چند روز کے بعد القوت ہو گیا۔

حسن بن صباح نے چند روز القوت میں رہ کے اور بہت سے لوگوں
کو اپنا مرید بنا کے وہاں کے قلعہ اور مالک سے ملاقات کی جس کا نام تہدی تھا
اور ایک فاطمی شخص تھا۔ چونکہ وہ بھی اس کا معتقد تھا لہذا نہایت ہی ادب اور
حسن عقیدت سے دست بوسی کی جس نے کہا یہ جگہ ایک ایسے کچھ میں اور ایسی
عمدہ محفوظ گھاٹی میں واقع ہوئی ہے کہ ساری دنیا سے علیحدہ ہے۔ اور ہم
عزت گزینوں کے مذاق کے بہت موافق ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اتنی زمین جتنی
کہ ایک جوہر سہ کے اندر آجائے مجھے مرحمت ہو۔ اور اس کی قیمت میں میں ہزار
دینار دینے کو موجود ہوں۔ یہ کہتے ہی اس نے ذخیرہ ون کی تحصیل تہدی کے
سامنے رکھ دی۔ تہدی نے یہ ظاہر نفع دینے والی تجارت دیکھی اور ایک دینار
بزرگ کے قلعہ میں رکھنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں نظر آیا۔ روپیہ لے لیا۔ اور
اپنی منظوری سے شرائط بیع پورے کر دیے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ حسن نے
ایک بل کی کھال کی مہین مہین دھیمان کاٹ کاٹ کے اور انھیں ایک مہین
جوڑ کے اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ سارا قلعہ اس کے اندر آیا جاتا ہے تو بہت گھرا
مگر کیا کر سکتا تھا بیع پوری ہو چکی تھی جس کے مریدوں کے ساتھ تمام خوش عقیدہ
مسلمان بھی ایک دو لکھ شخص کے مقابلہ میں ایک خدا شناس اور نیک
نفس ناہد کی تائید ضروری سمجھتے تھے۔ الغرض اس طریقے سے قلعہ القوت
حسن کے ہاتھ میں آیا۔

بعض دیگر معتبر مورخین کا بیان ہے کہ حسن نے اس قلعہ پر یون
نہیں بلکہ ایک اور طریقے سے قبضہ کیا۔ وہ یہ کہ خود تہدی فاطمی اور تمام اہل

التمو نہتا جب اُس کے معتقد ہوئے اور حسن کو یقین ہو گیا کہ اب اُس کے حکم سے کوئی سرتابی نہ کرے گا تو ایک دن قلعہ پر چڑھا چلا گیا۔ اور مہدی کے سامنے جا کے کہا: بھلا اور یہ قلعہ خالی کرو یا مہدی محض ایک مذاق تصور کر کے ہنسنے لگا۔ مگر جب وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھا تو حسن نے اپنے لوگوں کو اشارہ کیا کہ مہدی کو نکال دو اس اشارے کے ساتھ ہی سب نے اُسے قلعہ سے نکال کے درمغان میں پہنچا دیا۔ اور اس کا مال و اسباب بھی اُس کے پاس بھجوا دیا گیا۔ اور حسن بن صباح قلعہ التہوت کا مالک و مختار تھا۔ بہر تقدیر حسن نے چاہے جس طریقے سے ہو قلعہ التہوت پر قبضہ کیا۔ جو آخرین اسماعیلیہ کا مرکز قرار پا گیا۔ اور اُن کی ساری کارروائیوں اور سازشوں کا صدر مقام ہی تھا۔

اس کا نیا مذہب اور اُسکی حکومت

اب حسن اس مضبوط قلعے میں بیٹھ کے بڑے استقلال اور لیاقت و جفاکشی سے اپنے مذہب کو دنیا میں پھیلانے لگا۔ اُس نے اگرچہ آخر تک اپنے آپ کو فاطمین مصر کا معتقد اور فرمان بردار ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور اُن کی امامت کا نقیب و داعی بنا رہا لیکن حقیقت میں وہ براہ نام اور صرف نامی ہی سے اُن کا طرفدار تھا۔ عقائد اسماعیلیہ میں اُس نے کچھ ترمیم کی۔ مصر کے لاج میں نوڈگریاں تھیں اس نے سات ہی رہنجن۔ اصل میں وہ ایک نئے مذہب کو بھی پھیلا رہا تھا جس کا بانی یا مجتہد جو کچھ کہے وہ خود ہی تھا۔ حسن کے مرید علاقہ رودبار و قزوین میں رودزافزون بڑھنے اور پھیلنے لگے۔ مذہبی تبلیغ اور دینداری کے لباس میں چپکے ہی چپکے اسماعیلیوں نے سارے رودبار

کی حکومت بھی اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دی۔ مختلف جگہ اس کے عالی حوصلہ
معتقدوں نے قلعے بنائے۔ اور خاص قلعہ التہمت کے گرد بڑے بڑے عالی شا
محل اور بان تعمیر ہو گئے۔ الغرض یہاں تک نہایت پہنچی کہ گرد و جوار کے حکمران
ڈرنے لگے کہ حسن بن صباح کہیں سارے ایران پر متصرف نہ ہو جائے۔

جب یہ خبر نظام الملک طوسی اور ملک شاہ سلجوقی کو پہنچی تو فوراً
فوج کشی کا سامان کیا گیا۔ اور ارادہ ہوا کہ حسن بن صباح کا بالکل قلعہ و قمع
کر دیا جائے۔ تھوڑے ہی دنوں میں نظام الملک کی بھیجی ہوئی فوجوں نے قلعہ
التہمت کا محاصرہ کر لیا۔ حسن کو اس کا تو ذرا بھی اندیشہ نہ تھا کہ اس مضبوط قلعہ
کو کوئی فتح کر سکے گا۔ مگر دشواری یہ ہوئی کہ قلعہ والوں کی نہ راعت بالکل موقوف
ہو گئی۔ اور قحط کا اندیشہ پیدا ہوا۔ ایسی حالت میں حسن نے ایک دوسری تدبیر
سے کام لیا۔ وہ یہ کہ اپنے ایک جانب از مرید کو بھیجا کہ جا کے نظام الملک
کو مار ڈالے اسوقت شہنشاہ اور رمضان کا مہینہ تھا۔ نظام الملک ملک شاہ
کے ہمراہ ہنارہند میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اور بغداد جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔
نیک نفس وزیر روئے ہوا۔ افطار کر کے حرم کے خیموں کی طرف جا رہا تھا کہ ایک
را کا مستغیثوں کی صورت میں آیا۔ نظام الملک اس کی باتوں میں مشغول تھا
کہ رات کے بڑھ کے پھری سے کام تمام کر دیا۔ ملک شاہ کو اپنے وزیر کے
بارے جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ مہینہ نہیں
گزرے پاپا تھا کہ خود بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کا کام بھی ان
ہی کے ایک مرید نے فریب سے جام نہ ہر بلا کے تمام کیا۔

وزیر اور بادشاہ دونوں کے مرنے کے بعد التہمت کا محاصرہ
کیونکر قائم رہ سکتا تھا فوجیں واپس چلی گئیں۔ اور حسن بن صباح پھر اسی

آزادی کے ساتھ اپنے مذہب کی ترقی و ترویج میں مشغول ہو گیا۔ نظام الملک کے قتل میں جو کامیابی ہوئی اُس نے حسن کی نظر میں دشمنوں کے زیر کرنے کے لیے اس طریقے کو نہایت ہی مفید اور کارگر ثابت کیا۔ اور اُس نے علی العموم یہ تدبیر اختیار کر لی کہ جو کوئی سرتابی کرے وہ اسی طرح غموشی کے ساتھ قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ اُس نے ایسے جانناز سپاہیوں کے فراہم کرنے اور ایک باقاعدہ اور اصولی طریقے سے اُن میں اس کارروائی کی پوری یات پیدا کرنے کی کوشش شروع کی۔ یہ ایک ایسا فن جنگ تھا جس کی طرف شاید ابتدا سے تخلیق سے اس وقت تک کسی بادشاہ اور مہتمم نے توجہ نہ کی ہوگی۔ یہ کام حسن بن صباح ہی سے شروع ہوا۔ اور اُسی پر یا اس کے جانشینوں پر ختم ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ انسان بڑی شکون سے ایسا سید باطن بن سکتا ہے کہ اس قسم کے ذلیل طریقے سے جان لینے کو اپنا جوہر سمجھے۔ اور پھر اتنا مضبوط ہو کہ جب تک دم باقی ہے اپنے ارادے سے نہ باز آئے۔ حسن کو اس میں پوری کامیابی ہوئی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ویسی کامیابی اور کسی کے لیے محال ہے۔

اُس کا زہد و اتقا

اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے اس نے پہلے تو اپنی مذہبی وقت اور اپنے تقدس کو زیادہ زور دے کے لوگوں کے ذہن نشین کرنا شروع کیا۔ کچھ ایسی اقطاب و انبیا کی شان سے اکتونت میں بیٹھا جس زیادہ موثر اور با عظمت بنائوالی کوئی حالت ہو ہی نہ سکتی تھی۔ کہتے ہیں کہ

قصر آفتوت کے کوٹھے پر اس طرح پاؤں توڑ کے بیٹھا کہ تین سال میں صرف
دو مرتبہ نہینے کے نیچے اتر اٹھا۔ وہ وہاں تنہا رہتا۔ مخصوص صیہن کے سوا
کسی سے ملتا جلتا بھی نہ تھا۔ شب و روز نہ سو جاتی نہ یا صیتیں کرتا۔ اور اپنے
عقائد کے متعلق تصنیف و تالیف میں مشغول رہتا تھا۔ لوگوں سے اپنے
اصول معینہ و مسئلہ شرعی کی پابندی کرا نے میں اتنا سخت ہو گیا کہ کبھی کسی شخص
کے ساتھ رعایت ہی نہ کی۔ اُس کے مذہب میں جرم اور مذہبی قصور معاف
ہی نہ ہو سکتا تھا۔ اور ہی امر یہ شخص اور ہر مرتد کے دل میں جایا گیا تھا۔ اس
اصول میں اُس نے بیان تک استقلال دکھایا کہ فطری محبت بھی اُس کے دل
کو نرم نہ کر سکی۔ اُس کے بیٹے حسین نے ایک ہم مذہب کو جو کہ ہستان
کا داعی تھا مار ڈالا تھا۔ جن نے بلا تامل قصاص کا حکم دے کے اسے قتل
کر ڈالا۔ دوسرے بیٹے نے اتفاقاً شراب پی لی جس کو پابندی شرع جن بھی
حرام بتاتا تھا جب اُسکی خیر جن کو ہو چکی تو اُسے فوراً قتل کر ڈالا۔ اسی دن
کسی صاحب اثر شخص نے قلعے کے اندر بے بسری بجائی یہ بھی حرام تھا۔ جن نے
اُسے فوراً قلعے سے نکلوا دیا۔ شاید قلعے میں کوئی نہ ہو گا جس اُسکی سفارش
نہ کی ہو۔ مگر کسی کی پیش نہ گئی۔ اور وہ نکال دیا گیا۔ جن کی شریعت میں حج
یا امام کے حکم سے مرتابی کرنے یا کسی مذہبی اصطلاح میں یون کہا جائے
کہ مسئلہ شرعی سے انحراف کرنے کی سرزنس تھی۔ اور کسی طرح مائے نہ مل سکتی
تھی۔ جن شرابی تعمیل مذہب کے ساتھ حکومت اور زیادہ زور کے ساتھ لڑتی تھی۔

اس کی جنت

باقی رہا یہ امر کہ اس کی تصدیق مذہبی ذریعے سے ہو۔ اور

معتقدوں کے دل کو سچائی کا قطعی یقین ہو جائے اس کے لیے حسن نے ایک بالکل نئی اور اچھوتی تدبیر نکالی تھی جس کی طرف اُس سے پہلے شاید کبھی کسی شخص کا خیال بھی نہ گیا ہو گا۔ اور اُس وقت سے آج تک غالباً کوئی شخص اس واقعے کو سن کے بے حیرت کیے نہ رہا ہو گا کہ آلتونٹ کے گرد کے سر سبز و شاداب کوہسار اور اُس کی وادیوں نہروں اور مرغزاروں میں ایک جنت بنائی گئی تھی وہاں کی نظر فریب وادیوں اور جان بخش مرغزاروں میں اچھے اچھے خوبصورت اور دل فریب مکان بُرج اور کونکین تعمیر کی گئی تھیں۔ مکانات کا اجلا پن اُن کی خوشنمائی اور مرغزاروں اور باغوں کی نہایت و تروتازگی انسان کے دل پر جادو کا اثر کرتی تھیں خوبصورت سے خوبصورت اور نازک سے نازک پری و شمعینین ان مکانات میں کثرت سے لاکھ لاکھ لگائی تھیں جن کی وضع کی سادگی اور جن کے جن کی دلربائی ایک ہی نظریں انسان کو یقین دلا سکتی تھی کہ یہ اس عالم کے سوا کبھی اور ہی عالم کے نورانی پیکر ہیں۔ یہ جنت کوہستان کے اندر ہی اندر میلون تک پھیل گئی چلی گئی تھی۔ ہزاروں کو چابجا کاٹ کے اُس میں بہن لائی گئی تھیں اور کوشش کی گئی تھی کہ کوئی شخص اُس کے اندر پہنچ جائے تو اسے ساعت بساعت زیادہ مسرت محسوس ہو کر جائے جس طرح کہا جاتا ہے کہ کہ فری میں بناتے وقت رازداری کے طریقے سے انسان کے دل پر خوف و وحشت کا بہت اثر ڈالا جاتا ہے۔ اور ہر طرح سے اس کا دل مرعوب کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بیان کوشش کی گئی تھی کہ ہر آنے والے کے دل پر فرحت کا اتنا اثر پیدا ہو جائے کہ اس پر فرحت و مسرت کو وہ دنیاوی بہنیں بلکہ دوسرے عالم سے متعلق تصور کرے۔ بیان کی جو رین اور

ہیان کے غلمان تمام کار و ایون کو عجیب راز داری سے انجام دیتے تھے۔ تمام چیزیں جن کے باہر سے لانے کی ضرورت ہوتی اس خوبصورتی سے فراہم کی جاتی تھیں کہ کسی کو کبھی سراغ بھی نہ لگ سکتا تھا۔ یہ جنت تھی جو حسن پر ایمان لانے والوں کے لیے بنائی گئی تھی۔ اور جو اکثر معتقدین کی خوش عقیدگی کا مرکز تھی۔

اُس کے پیڑوں کے تین گروہ

یہ جنت بنانے کے بعد جن نے اپنے مریدوں کو تین گروہوں پر تقسیم کیا داعی رفیق اور فدائی۔ داعی تو وہ لوگ تھے جو شرلوین کی طرح ممالک دور دراز میں پھیلے رہتے۔ اور خفیہ ہی خفیہ لوگوں میں اُس کے مذہب کی تبلیغ کرتے۔ شام سے لے کے کرمان اور سیستان تک شاید کوئی شہر نہ ہوگا جہاں حسن بن صلاح کے داعی نہ پھیلے ہوئے ہوں اور نہ ہیج دین کی کوشش نہ کر رہے ہوں۔ رفیق وہ لوگ تھے جو مذہب میں مجتہدانہ شان رکھتے۔ اُس کی دینی مجلس کے ارکان و مشر تھے۔ اور جن کو حسن کے معتمد علیہ ہونے کی عورت حاصل تھی گیسے بیبا اور گیسے زیادہ خطرناک قیصر گروہ فدائیوں کا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو حسن کے حکم کی بلاخبر و بلااجت آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے ان پر خاص قسم کا مذہبی اثر ڈال کے نہایت ہی دینی داب و تمکنت سے اُن کے ہاتھوں میں خنجر دیے جاتے۔ اور اس خطرناک گروہ میں وہ عزلی برسمون کے ساتھ شامل کیے جاتے۔ یہی لوگ تھے جن کے ہاتھ سے یہ خوشخوار کام اجرا پاتا تھا کہ جس کے قتل کا اشارہ ہوتا اس کے پاس مختلف وضعوں اور لباسوں میں جانے۔ اس سے مل کے اُس کے مزاج میں رسوخ پیدا کرتے۔ اُس کے معتمد علیہ بنتے۔ اور موقع پاتے ہی اُس کا کام تمام کر دیتے۔ یہی

فدائی تھے جنھوں نے حن بن صباح کو دنیا میں ایک خاص کیریکر ثابت کیا ہے۔ اور جن کی وجہ سے تمام بادشاہ اور امرا اُس کے نام سے کانپتے تھے۔ اور یہی تیسرا گروہ تھا جس کے دل پر اپنا پورا اثر ڈالنے کی اُسے ضرورت تھی۔ اور جن کے لیے وہی ابقونیت کی جنت بنائی گئی تھی۔

جنگ جسے عربی میں حبش کہتے ہیں اُن دنوں ایک نامعلوم چیز تھی حن ہی پہلا شخص ہے جس نے ایران و فارس میں سب کے پہلے اس بے ہوش کرنیوالی تہی کا پتہ لگایا۔ اور اُس نے اس سے کام بھی لیا لیا جیسا کہ شاید کوئی شخص نہ دیکھا ہو گا۔ خوبصورت۔ توانا و تند رست اور قومی ہیکل نوجوان جو سیدھے سادھے ہوتے۔ اور بہت جلد ایمان لانے کی استعداد و قابلیت رکھتے۔ علاقہ طالقان پرورد سے منتخب کیے جاتے۔ اور مختلف تدابیر سے پھانس کے اذہب آمادہ کر کے حن کے دربار دینی میں فدائی بننے کی عزت حاصل کرتے۔ انھیں کو یہ خزاوردیہ و رجب مقبولیت بھی حاصل تھا کہ ایک زمانے کی امیدواری و آرزو مندی کے بعد حن بن صباح ان حبش کے اثر سے خاص اپنے سامنے اس طرح بیہوش کرنا کہ اُن کے دل میں کسی منشی چیز کے استعمال کا گمان بھی نہ گزرتا۔ بیہوش ہوتے ہی خاص ذریعوں اور خاص راستوں سے وہ مذکورہ بالا جنت میں پہنچا دیے جاتے۔ جہاں پہنچتے ہی وہ ہوش بردار اور دلتان حورون کے آغوش شوق میں آٹکھ کھلتے اور اپنے آپ کو ایک ایسے عالم میں پاتے جہاں کی خوشیاں اور مسرتیں اُن کے حوصلہ اور اُن کے خیال سے بہت بالا ہوتیں۔ پر فضا و دیون روح افزا آبشاروں۔ جان بخش باغوں۔ اور نظر فریب مرغزاروں میں وہ سیر کرتے حورون کی صحبت اُن کی دلتائی کرتی۔ مئے مرغوانی جس کے لبریز جام غالباً بیان شراب طہور کا نام لے کے ہاتھ میں دیے جاتے ہوں گے انھیں دنیاوی افکار سے بے پروا کر دیتے۔ الغرض

چہ سات روزہ یا اس سے کم و بیش زمانے میں جباوہ اپنے دنیاوی مصائب کو بالکل بھول جاتے۔ اور اُن حسین و دلدار و فاشعار و اطاعت گزار حوروں کی محبت کا نقش اُن کے دل پر اتنا گہرا پڑ لیتا کہ زندگی پھر نہ مٹ سکے۔ تب ہی حوریں اسی خوشی کا ایک جام پلا کے اُن کو حسن کے سامنے پہنچا دیتیں۔ جہاں آنکھ کھول کے وہ اپنے آپ کو شیخ کے قدموں پر پاتے۔ اور بے اختیار قدم چوم کے زبان سے کہتے: مکن بیدار ازین خوابم خدارا!

ان کو پھر جنت میں پہنچ سکے کی امید دلائی جاتی اور انہیں لوگوں سے جنت کی چاٹ پر لگا کے یہ ظالمانہ کام لیے جاتے۔ ظاہر ہے کہ اُن کے دل پر شتم و تہون کا اتنا مضبوط اثر پڑ چکتا۔ اور حوروں کی ہم کناری و محبت کی تصویر اس طرح آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی تھی کہ حکم کی تعمیل میں نہایت ہی سچا خلوص دینی اور اپنی قوت سے زیادہ سرگرمی و مستعدی دکھاتے کہ شاید جنت میں جلدی ہو بخنے کا موقع ملے۔ یہ یقینی بات ہے کہ وہ حوریں ہر وقت کوشش کرتی ہوں گی کہ اُن کے دل کو اپنے ہاتھوں میں لیں۔ اور یہ یاد دلائے کہ انہیں دنیا میں پھر جانا ہے۔ روزئے اور ہزاروں قسم کے مضبوط وعدے لیتی ہوں گی کہ جس طرح بنے ہم سے جلدی ملنا اُن کے فراق کے دھڑکے کو وہ بہت بڑھا کے اپنی بیباکی ظاہر کرتی ہوں گی اور اپنے آپ کو اُن پر حد سے زیادہ فریفتہ اور مفتون بنا کے فراق کے اندیشوں پر روتی۔ شوق وصال کی نہایت آرزو مند بنتی اور پھر ملنے کے ہزاروں وعدے لیتی ہوں گی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان پسری جمال حوروں کے پاس سے جو شخص ایسے ایسے وعدے کرے کہ اور ایسی ایسی محبت کی متبیا جان دیکھ کے آتا ہو گا۔ اور اس بات کا یقین رکھتا ہو گا کہ اُس عشرت کدہ لازم و ملزوم ہے۔

میں رسائی یا توشیح کے حکم کی تعمیل سے ہو سکتی ہے یا مرنے کے بعد وہ جو نہ کر گور
تھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر قدرائی ہر وقت جہان دینے کو تیار رہتا۔ اور جتنی جلدی
اُسے جان دینے کی اجازت ملنی اتنا ہی زیادہ ممنون احسان ہوتا۔ یہ بظاہر
اور جانناز فرج تھی جس کو حسن نے اپنی قوت بڑھانے اور اپنا اثر پھیلانے کے
لیے مرتب کیا تھا۔

حسن بن صباح اور سلطان سنجر

یہ قوت اور یہ فرج ابھی اچھی طرح مرتب نہیں ہو چکی تھی کہ سلطان سنجر
نے جو ملک شاہ کے بعد ایک بڑی اور زبردست سلطنت کا مالک ہو گیا تھا حسن
بن صباح کا حال سنا اور اپنی فرج تلے کے چلا کہ ایران میں اسماعیلیوں کی قوت کا
خاتمہ کر دے حسن میں اُس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اس
طریقہ جنگ کا مرد میدان نہ تھا۔ اُس کی کامیابی کے اسباب دوسرے ہی تھے۔ اور
اُسی قسم کے تھے جیسے کہ نظام الملک کی جان لیتے وقت کام میں لائے گئے حسن نے
اب کی یہ کوشش کی کہ سنجر کو قتل تو نہ کر لے مگر اُس کے دل پر پناہ رعب پورا بھاد
چنانچہ خاص سنجر کے کسی خانگی اور خاص ملازم کو رشوت دے کے یا اپنا مقتدر بنا
خاص اپنا ایک خنجر دیاجس پر اُس کا نام کندہ تھا۔ اور کہا کہ رات کو اسے نہایت
خوشی کے ساتھ اور اس طرح کہ کسی کو خبر نہ ہوئے پائے فلان امر بخ سلطان
سنجر کے خواب گاہ میں اُس کے سرانے رکھ دینا۔ یہ کوئی مشکل امر نہ تھا تعمیل ہو گئی
سنجر صبح کو اٹھ کھڑے ہی وہ خنجر دیکھ کے پریشان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اور میری
خواب گاہ میں آنے کی کسے جرأت ہو سکتی تھی۔ دل میں خائف تھا۔ اور خوشی کے

ساتھ تفتیش کر رہا تھا کہ حسن کا خط پہونچا جس کا یہضمون تھا کہ "اگر سلطان کو
میں اچھا نہ سمجھتا تو وہ خنجر جو انھیں اپنے سر کے پاس ملا اپنے دل کے اندر تیر
ہوا ملتا"۔

اس خط کے پڑھتے ہی خنجر کے حواس جاتے رہے۔ دل ہی دل میں
کاٹنے لگا۔ اور اس قدر مرعوب ہو گیا کہ کسی طرح قدم آگے بڑھانے کی ہمت
نہ ہوئی تھی۔ فوراً شرائط صلح پیش ہوئے اور صرف ان میں شرطوں پر حسن سے
صلح ہو گئی۔

۱۔ اسماعیلیہ فریق والے اپنے قلعوں کے متعلق کوئی جدید فوجی عمارت نہ
تعمیر کریں۔

۲۔ جدید اسلحہ جنگ یا گولہ اندازی کی کلین (منجیق) نہ خریدیں۔
۳۔ اور اس کے بعد سے حسن بن صباح کسی نئے شخص کو اپنا معتقد و مرید نہ
معلوم ہوتا ہے کہ باوجود دور جانے کے خنجر نے اس کی بڑی کوشش
کی کہ حسن کی قوت زیادہ نہ بڑھنے پائے۔ اگرچہ اس معاہدے میں اس نے یہ
بہت بڑی رعایت کی تھی کہ شیخ الجبال کے لیے (جس نام سے کہ حسن اب مشہور
تھا) حاصل رقم کا ایک حصہ بطور وظیفے کے مقرر کر دیا تاہم اسے فوجی قوت
بڑھانے سے بالکل روک دیا تھا۔ حسن کو بھی ان شرائط کے تسلیم کر لینے میں کوئی
غدر نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جس سپاہ سے وہ کام لیتا تھا اس کو ایک چھری کے سوا
نہ کسی حربہ جنگ کی ضرورت تھی اور نہ منجیقوں کی۔ اس کو اب کسی جدید قلعہ کی بھی
حقیقت میں ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ پہاڑوں کے سلسلہ میں جو صد ہا قلعہ چلے گئے تھے
سب اس کے قبضہ میں تھے باقی رہی صرف ایک بات وہ یہ کہ کسی نئے شخص کو اپنا
مرید نہ بنائے۔ یہ ایک ایسا امر تھا جس کی پابندی بہ ظاہر حسن پہلے ہی سے کر رہا تھا۔

اس لیے کہ بنی فاطمہ کے تمام داعی جن لوگوں کو اپنا پیرو بناتے اور جن سے بیعت لیتے بالکل چھپا کے لیتے۔ اگرچہ اُس عہد میں ہر مغلوب مذہب اور ہر گروہ کے داعیوں کا یہی طریقہ تھا مگر خاصۃً ان لوگوں میں ایک عادت کے مثل ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہ لوگ باطنیین کہلاتے تھے یعنی تمام کارروائیاں اور کل سازشیں پوشیدہ ہی پوشیدہ ہوتی تھیں۔ اسماعیلیوں کا اصول آج تک یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے خوف بھی تقیہ کرتے ہیں۔ لہذا سچے ایک ایسی قید لگائی تھی جس کی پابندی حسن اور اُس کے معتقدین پہلے ہی سے کر رہے تھے۔

اسماعیلیہ قرامطہ اور باطنیہ کا امتیاز امامت کی مختصر تاریخ

ان دنوں یہ گروہ پانچ ناموں سے نامزد تھا۔ اسماعیلیہ قرامطہ، باطنیہ، ملاحدہ اور شیشیین اسماعیلیہ وہ عام اور اصلی نام ہے جو مصر سے لے کے ہندوستان تک تمام طرف داران خلفائے بنی فاطمہ مصر کے لیے مخصوص تھا جن کا دعویٰ تھا کہ امامت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اُن کے صاحبزادے اسماعیل پر منتقل ہوئی۔ جن کی نسل میں کئی مختفی اور پوشیدہ اماموں کے بعد تہمدی کو امامت ملی جو اس خاندان خلافت کا بانی تھا۔ اور اُس کے بعد اُسی کی نسل میں امامت رہی۔ اس نام کے مجاز اصل میں صرف وہی لوگ تھے جو مصر میں تھے۔ یا وہاں کے فاطمی خلفائے بلا واسطہ تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اُن کے داعیوں اور نقیبوں نے مشرق میں جو سنئے نئے شگوئے کھلائے وہ ہمیشہ ایک نئی صورت اور نئی وضع میں نمودار ہوتے رہے۔ اور نئے نئے ناموں سے نامزد کیے گئے۔ چنانچہ سب کے

پہلے جس شخص نے ان فاطمین کے لقبوں کی طرف راہی کر کے خلافت عباسیہ سے بغاوت کی اُس کا لقب قرامطی تھا۔ وہ بظاہر تو فاطمین مصر کو آتا تھا مگر حقیقت میں ان لوگوں کے نام سے سوا پولیکل فائدہ اُٹھانے کے اُس کی اور کوئی غرض نہیں نظر آتی۔ اُس کے عقیدین قرامطہ کہلاتے تھے۔ قرامطہ کی قوت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ تمام ملک شام کو تباہ کر دیا۔ خاص سادات بنی فاطمہ کی سخت توہین اور بے عزتی کی خانہ کعبہ کے ہرم پر تباہ ہو گئے۔ اور حجر اسود کو کھود کے عمان میں لے گئے۔ جہاں اُن کا مرکز تھا۔ آخر میں یہ خلفا مصر کی گرفت سے بھی باہر ہو گئے تھے۔ اور خراسان سے شام تک ہر شہر ان کے دست ستم سے چھ اٹھا تھا۔ ان کا مذہب بالکل جلیا تھا۔ جس کے اصول ان کے مخالف اور دشمن مورخین کی زبانوں پر ہم تک پہنچے ہیں اُن میں یہ بے اعتدالی ضرور نظر آتی ہے کہ باتو اتنی سختی کہ انسان پر پانچ کی جگہ پچاس عائدین فرض ہیں یا اتنی آزادی کہ شراب تک حلال ہے۔ عقائد بالکل عقلی اصول اور معتزلہ کے شکوک سے بے گئے تھے۔

یہی مذہب اسماعیلیہ تھوڑے زمانے کے گزرنے کے بعد حبش مشرق میں دوبارہ حسن بن صباح کی عجیب و غریب کوششوں سے نمودار ہوا تو بالکل نئے رنگ اور نئی وضع میں تھا۔ اب وہ علانیہ بغاوت میں نہ تھیں بلکہ خفیہ شاذ شون کا بازار گرم ہوا۔ اب یہ لوگ قرامطہ نہ تھے بلکہ باطنیہ اور شیعین کہلاتے تھے۔ جن کی وجہ تسمیہ بھی اب پر معلوم ہو چکی۔ باطنیہ کے جانے کا ایک سبب اور بھی تھا۔ جس کو تعلق ان کی ان باطنی شاذ شون سے نہیں بلکہ ان کے عقائد سے تھا۔ اس موقع پر ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم فرقہ اسماعیلیہ کے اختلاف اور اُن کے عقائد کو بھی بیان کر دیں۔ اگرچہ اس سے مضمون بڑھ جائے گا مگر

اکثر جناب کو بیت سی ایسی باتیں معلوم ہو جائیں گی جو اس وقت تک نہیں معلوم تھیں
 طرفداران اہل بیت نبوت اور شیعیان علی مرتضیٰ میں پہلا اختلاف امام زین العابدین
 علیہ السلام کے صاحبزادے جناب زید کے وقت سے پیدا ہوا۔ حضرت زین العابدین کی جہت
 یہ بتائی جاتی ہیں کہ اول تو آپ اس امر کو جائز سمجھتے تھے کہ کوئی ایسا شخص جو سب سے
 افضل نہیں جائز ہے کہ یہ مصلح اپنے سے زیادہ برگزیدہ ہو گوں پر امام مقرر
 کر دیا جائے۔ اور اسی بنا پر آپ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو جائز اور حضرت علی مرتضیٰ
 کو سب سے افضل و اعلیٰ بتاتے تھے۔ آپ کے نزدیک یہ نہیں جائز تھا کہ حضرات ابو بکر
 و عمر کی نسبت بڑے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ آپ کے متبعین کا پہلا گروہ جو شیعوں
 سے علیحدہ ہوا وہ زید کے لقب سے مشہور ہوا۔ اور ان میں چند روز بعد اور
 تفریقیں بھی قائم ہو گئیں۔ زید کے نزدیک امامت بارہ پر منحصر تھی۔ اور یہ ضرور
 تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی امام ہو۔ بلکہ جائز تھا کہ متعدد دائمہ معاصر ہوں۔ اور
 اپنی اپنی جگہ پر ایک امامت کے خلعت سے آراستہ ہو۔ چنانچہ انھوں نے خلافت
 رسالت کے کئی یادگار دن کو ایک ہی وقت میں امام تسلیم کر لیا۔
 زید یہ تو گویا علیحدہ ہو گئے۔ مگر جو لوگ امامت کو جناب امام باقر علیہ السلام
 کی نسل میں لے آتے تھے ان میں آگے بڑھنے کے ایک دو سلاخلاف پیدا ہوا۔ جو
 پہلے سے زیادہ سخت اور زیادہ مستقل تھا۔ ان لوگوں میں امامت کا سلسلہ اس ترتیب
 سے آیا تھا کہ علی مرتضیٰ و حسین علیہم السلام کے بعد جو تھے امام جناب زین العابدین پھر
 آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے امام محمد باقر اور آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے
 امام جعفر صادق جو چھٹے امام ہیں۔ اگرچہ ہر امام کے بعد دوسرے امام کے انتخاب کے
 وقت اختلافات پڑتے۔ اور نئے فرقہ پیدا ہوتے رہے تھے۔ مگر ایسا اختلاف جو ان
 باقی ہے اور جس نے دنیا کی تاریخ پر اثر ڈالا امام جعفر صادق کے بعد ہی پیدا ہوا۔ آپ کے

دو صاحبزادے تھے۔ ایک اسمعیل جو محمد نام ایک صاحبزادے کو چھوڑ کے پدربزرگوار کی زندگی ہی میں داخل سخت ہوئے۔ اور دوسرے امام موسیٰ کاظم جو شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد امام ہوئے۔ اور جن کی نسل سے بارہ اماموں کا وہ سلسلہ پورا ہوتا ہے جن کو شیعہ اثنا عشریہ آج تک صحیح اور برحق مانتے ہیں۔

اسمعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی نسل چند وزبجدارض مغرب میں پہنچی اور ایک مدت کی گمنامی کے بعد یہ خاندان اس شان سے اور اس دعوے کے ساتھ نمودار ہوا کہ امام جعفر صادق کے بعد امام برحق موسیٰ کاظم بنیں بلکہ اسمعیل بن جعفر صادق تھے۔ اور جب یہ اعتراض کیا گیا کہ اسمعیل بن جعفر صادق کا انتقال تو پدربزرگوار کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا تو انھوں نے جواب دیا کہ امام کی زندگی ہی میں امامت کا دوسرے پر منتقل ہو جانا جائز ہے۔ اس خاندان کو آخر حکمرانی کا موقع مل گیا۔ اور جب اس کی سلطنت اقصائے مغرب سے لے کے شام و عرب تک پھیل گئی تو اس کے دعوے میں خود بخود زور بھی پیدا ہو گیا۔ اور لوگ کثرت سے اُس کے پیرو ہونے لگے۔ یہی لوگ اسی اسمعیلیہ میں انھوں نے پہلا خیال یہ ظاہر کیا کہ امامت کے لیے بارہ کی قید نہیں۔ بلکہ امام بہت سے ہو سکتے ہیں۔ مگر ان ہر امام کے بارہ نقیب البتہ ہوا کرتے ہیں۔ انکا دعویٰ ہے کہ شیعوں کی غلطی ہے جو بارہ کے عدد کو اماموں کے ساتھ ملاتے ہیں۔ بلکہ یہ عدد نقباء کے لیے مخصوص ہے۔ امامت کے ساتھ وہ سات کے شمار کو ملاتے ہیں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ یہ ضرور نہیں کہ سات پر اماموں کا شمار ختم ہو جائے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ سات سات کے سلسلے متواتر چلے جاتے ہیں یعنی پہلے سات امام ہوئے۔ اُن کے بعد پھر سات اور اسی طرح پھر سات اور اسی اصول سے کہتے ہیں کہ اسمعیل ساتویں امام تھے اور اُن کے بیٹے محمد کو جدا امام نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ وہ سابع امام تھے۔ یعنی ساتویں ہی امامت کا انھوں نے مکمل کیا۔ یہ سات تو اُن کے امام ظاہر ہیں پھر اُن کے بعد سے تین امام باطن گزرے جو دنیا میں نمودار نہیں ہوئے۔ مخفی بیٹھے رہے۔

مگر ان کے نقیب علانیہ ہدایت خلق اللہ کرتے تھے۔ پہلے نقشبند بن محمد مکتوم۔ دوسرے جعفر مصدق تیسرے حبیب۔ یتیم امام مخفی تھے۔ ان کے بعد سے پھر امامان ظاہر کا سلسلہ شروع ہوا۔ حسن بن سب سے پہلا جلیل اللہ ممدی ہے جو خاندان فاطمیین مصر کا بانی تھا۔ دوسرا ابو القاسم محمد بن حسن کا لقب القاسم ہوا۔ تیسرا اسماعیل بن حسن کا لقب منصور تھا۔ چوتھا محمد بن الملقب بہ المعروف بن اللہ۔ پانچواں نزار الملقب بہ عزیز باللہ۔ چھٹا منصور الملقب بہ الحاکم ہوا۔ ساتواں علی بن حسن کا لقب الظاہر علاء الدین اللہ تھا۔ ظاہر کی خلافت کے زمانے میں چار سال تک تمام انتظام مملکت اُس کی پھوٹی ست الملک کے ہاتھ میں رہا۔ اس کے بعد ابو تیمم محمد الملقب بہ المستنصر باللہ ہوا اسی مستنصر سے حسن بن صباح آ کے ملا تھا۔

ان لوگوں نے یہ عجیب خیال پیدا کیا تھا کہ جب تک امامت مخفی رہتی ہے اس وقت تک تک نقابت اور دعوت ظاہر رہا کرتی ہے۔ اور جب امامت ظاہر ہو جاتی ہے تو نقابت اور دعوت مخفی طریقوں سے ہونے لگتی ہے۔ اور یہی پہلی بنا ہے جس نے اندرونی اور بیرونی اور ساز و مشور کو متزلزل نہ رہا بنایا۔

بنا اعتبار امامت یا چند خاص عقائد کے اس مذہب نے اس شان و شوکت میں ظہور کیا تھا۔ مگر جب اُس کے داعی پھیلے تو حکومت عباسیہ کی قلمرو میں اکثر وہ لوگ جو اپنے حکمرانوں سے بغاوت یا مخالفت کا حوصلہ رکھتے تھے انھوں نے بھی اس دعوت کو صرف ضرورت کے لیے قبول کر لیا۔ مگر ہمیشہ نئے اصول اور نئے عقائد بنا کر سامنے پیش کیے۔ ابتدا سے دعوت میں قرامطہ کا ظہور ہوا۔ بن کا حال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ انھیں کے دوسرے ہم خیال اور ہم اغراض حسن بن صباح کے فریضہ باطنیہ تھے۔ حسن بن صباح کی کوشش نے بھی مذہب کو جس رنگ کا جاسہ بھرا یا وہ بالکل نیا اور اچھوتا تھا۔ مذکورہ بالا اصول امامت کے تسلیم کر لینے کے بعد اس نے الہیات کے نازک اور دقیق مسائل پر غور کر کے مسلمانوں کے خدا کو بھی

یونانی فلسفیوں کے خدا کی طرح مجرد عن المادہ کے درجے سے بڑھاکے معرّی
و معطل سا بنا دیا۔ اُس نے ہمارے تکلم کی طرح یہ نہیں کہا کہ واجب الوجود
اور اسمہ کے جملہ صفات عین ذات ہیں بلکہ یہ کہہ دیا کہ اس میں کوئی صفت نہیں
نہیں۔ اُس نے کہہ دیا کہ اگر صفات اُس میں ہوں تو وہ مخلوق کا سا ہو جائے اور
تشبیہ لازم آئے۔ لہذا اُس کی طرف کسی صفت کی نسبت نہیں کی جاسکتی اور یہ صفات
جو اُس کی جانب منسوب کیے جاتے ہیں تو اس اعتبار سے نہیں کہ اس
میں موجود ہیں بلکہ ایک دوسرے اعتبار سے اُس کو قادر کہتے ہیں تو اس لیے
نہیں کہ اُس میں قدرت ہے بلکہ اس لحاظ سے کہ اُس نے دور و درون کو قدرت
عطا کی ہے اور اسی طرح اس کی جانب جملہ صفات کی نسبت محض اس سبب سے
کی گئی ہے کہ اُس نے مخلوق کو وہ چیزیں عطا کی ہیں۔ ان صفات ہی کیا تخصیص
ہے جس نے دراصل خدا کی ذات کو بھی شبہ میں ڈال دیا۔ اُس کا خیال ہے کہ
خدا کے ساتھ لفظ وجود کو بھی منسوب نہیں کر سکتے نہ ہم اسے موجود کہہ سکتے
ہیں اور نہ غیر موجود۔

باطنیہ کے ان عقائد میں ہمارے ناظرین کو شاید بہت کم
تعلق آئے گا۔ لہذا ہم اُن کا خاص وہ عقیدہ بتا دیتے ہیں جس کی وجہ
سے وہ باطنیہ کہلائے۔ ان کے نزدیک ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے۔
اور ہر حکم قطعی کی ایک تاویل ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا اصول تھا جس کی بنا پر
احکام شرعی میں ہر قسم کا تصرف ہو سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ ہر حلال حرام ہو جائے
اور ہر حرام حلال کر دیا جائے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جس طرح مصر میں ہر خلیفہ
کے عہد میں مذہب ہمیشہ ایک ہی نشان سے ظاہر ہوا۔ اُسی طرح حسن بن صبر
کے بعد آئمہ اثنی عشریہ میں روزِ نئی ترمیم ہوئیں کبھی جائز یا تین حرام تھے اور کبھی حلال یا

حسن بن صباح کے مرید اور ان کے ہاتھوں دنیا میں ہل چل

باطنیں کے عقائد کو بالاجمال بتا کے اب ہم پھر حسن کے حالات کی عبارت تو یہ کرتے ہیں۔ درحقیقت حسن کو اپنے معتقدوں اور پیروں میں جو مقبولیت اور مقصد حاصل تھی شاید کسی بادشاہ اور فرمان روا کو بھی نہ نصیب ہوئی ہوگی خود خلفائے جعفری فاطمہ مصر حسن کی مشعل سے حسن نے اپنا چراغ جلا لیا تھا وہ بھی اپنے معتقدین میں کبھی وہ رتبہ نہیں حاصل کر سکے جو حسن کو اُس کی جنت اور ظاہری بے نفسی و ریاضت سے حاصل ہو گیا تھا۔ اُس کے حکم سے یا اُس کے ادنیٰ اشارے پر جان و دنیا لوگ اپنا سب سے بڑا فرض خیال کرتے تھے۔ اور جنت کے شوق نے موت کو بالکل ایک معمولی بلکہ خوشگوار چیز بنا دیا تھا۔

ملک شاہ نے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے حملے سے پیشتر حسن کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی جس کے ذریعہ سے باطنیہ کے عقائد دریافت کیے تھے اور ہدایت کی تھی کہ بھلائی چاہتا ہے تو فوراً قلعہ آلمونت خدام سلطانی کے سپرد کر دے۔ حسن نے اس موقع پر اپنا رعب و داب اور اپنا عجیب و غریب اثر دکھانے کے لیے اُس قاصد کے سامنے ایک خادم کو بلا کے خود کشی کر لینے کا حکم دیا۔ حکم کے ساتھ ہی اُس خادم نے اپنا کام تمام کر دیا۔ پھر ایک دوسرے خادم کو اشارہ کیا جو فوراً ایک بلند برج پر چڑھ گیا وہاں سے نیچے پھانسی پڑا۔ اور دم بھر میں تڑپ کے مر گیا۔ یہ دو دہشت ناک تماشے دکھانے کے حسن نے ملک شاہ کے سفیر کو واپس بھیجا۔ اور قلعہ کی حفاظت کا سامان کرنے لگا۔

اس طرح اپنی قوت خوب بڑھا کے اور اپنے لشکر کو ایسے جاننا نہ
 سپاہیوں سے آراستہ کر کے حسن بن صباح نے اطراف و جوانب میں اپنے داعی
 اور نقیب بھیلانا شروع کر دیے۔ اور چند ہی روز میں ترکستان سے لے کر مصر
 تک کوئی جگہ نہ تھی جہاں اُس کے اصول مذہبی کی تلقین نہ ہو رہی ہو۔
 جب یہ خبر اطراف عام میں پھیلی تو ساری دنیا اسلام میں ایکساں
 تھلک مڑ گیا۔ سلاطین بگڑ بگڑ کر اپنے اپنے ملک سے بھاگنے لگے۔ اور علماء و متقدمان ملت نے قادیان
 اور اسماعیلیوں کے خلاف کفر و بے دینی کے فتوے جاری کیے اور عام طور پر
 ہر جگہ حکم دیا گیا کہ جو کوئی اپنے آپ کو فدائی بتائے یا اُس پر فدائی ہونے کا
 اشتباہ ہو فوراً قتل کر ڈالا جائے۔ ان احکام کا یہ نتیجہ ہوا کہ خراسان سے
 پیکر ہندوستان کے سوا حل تک ہر جگہ قتل و خون کا بازار گرم ہو گیا جہاں کوئی
 فدائی مل جاتا فوراً قتل ہوتا۔ مگر اس مخالفت و عداوت سے بجائے اس کے
 کہ فدا یوں کی قوت لوٹے یا حسن بن صباح کی دھاک میں کسی قسم کا فرق آئے
 ان سرگرم لوگوں میں اور زیادہ جوش پیدا ہو گیا۔ اب وہ پہلے سے
 زیادہ اصول رازداری کو عمل میں لانے اور اپنے دشمنوں کو زیادہ
 سرگرمی سے قتل کرتے۔

حلب کا باطنی حاکم رضوان

اسی زمانے میں حسن بن صباح کے ملقبہ بن کا قدم سرزمین شام
 میں جم گیا۔ اتفاقاً ان دنوں حروب صلیبیہ کے پہلے حملہ آور دن کا سیلا
 سرزمین شام سے گزرا تھا اور بیت المقدس میں مسلمان بلا اشتباہ و اعتناء
 قتل کیے گئے تھے۔ رضوان نامی ایک شخص نے جو شہر حلب کا مالک تھا اندیشہ

اسماعیلیہ قبول کر کے ایک طرف تو عیسائیوں سے دوستی پیدا کی دوسری طرف
 فدا یون کی ایک بڑی جماعت کو اپنی زیر حمایتی کے علی الاعوام مسلمانوں
 کو قتل کرانا شروع کیا۔ مگر فدا یون کے مرتے ہی معاملہ منعکس ہوا۔ عام مسلمان
 بلوہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جتنے اسماعیلی اور فدا یون نے سب کو قتل کر ڈالا
 اور کہتے ہیں کہ بڑی بے رحمی سے قتل کیا۔ لیکن فدا یون بھی اپنی کارروائیوں سے
 غافل نہ تھے۔ ان کے تین بیچوش جانشینوں نے خلفہ بغداد کے بھرے دربار
 میں اور سب لوگوں کو دیکھتے دیکھتے دمشق کے فدا یون کے دھوکے میں آئی تھیں ان پر ایک سازش
 حملہ کر دیا۔ اور اس کی جان لیے بغیر رہے۔ اسی طرح اور کئی صوبوں کے گورنر
 بھی مارے گئے۔ اور یکایک ان لوگوں کی اس قدر ہیبت دلون میں پھیل گئی کہ
 بعض بعض حکمرانوں نے اپنے بہاری اور مضبوط قلعے آپ ہی سہارہ کر دیے۔
 کہ حسن بن صباح مانگے گا تو دینا پڑیں گے۔

مسند حسن بن صباح

حسن کی وفات

آخر مدت ہائے دراندہ کی عورت گزینی و ریاضت اور زنجیروں میں
 حکمرانی کے بعد جمادی الثانی ۱۸۵ھ میں حسن مرض موت میں مبتلا ہوا۔ اور
 جب یقین ہو گیا کہ اب زندگی کا خاتمہ ہے تو فوراً اپنے ایک قلعہ دار اور
 مسجد علیہ کیا بزرگ کو بلایا۔ اور تمام امور انتظامی کی باگ اُس کے ماتحت
 دیدی اور وصیت کی کہ میرے بعد تھاری حیثیت حاکم اعلیٰ کی رہے گی۔ مگر
 نظم و نسق سلطنت کی حد ویدار اعلیٰ کے سپرد رکھنا۔ اور فوجی خدمت امیر المومنین
 حسن قسری کے ماتحت میں رہے۔ یہ وصیت کر کے چھبیس ماہ زندہ رہا اُس کی زوج
 قس غنصری سے پر واندہ کر گئی۔

اُس کا جانشین کیا بزرگ

کیا بزرگ بادشاہ التمنوت اور اس جدید اسماعیلی لاج کا گرنڈ ماسٹر
یاد اعلیٰ الدعات قرار پایا۔ حسن کی طرح اس نے بھی فدائیوں ہی کے بل پر حکومت
کی اور اس پر جوش گروہ کو اور ترقی دلانے لگا۔ اس کے عہد میں بہت سے
حکمرانوں نے باہم مل کے ارادہ کیا کہ التمنوت کے قتلے کا خاتمہ کر دیں۔
خصوصاً ان متحد حملہ آوروں میں سے سلطان بصرہ کے جانشین سلطان
محمود نے اس مہم میں اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ چنانچہ اس نوجوان
نے حملہ کر کے قلعہ التمنوت پر قبضہ کر لیا۔ اور باطنیوں کو سخت نقصان پہنچایا
مگر سلطان محمود کے مرنے کے بعد کیا بزرگ پھر اپنے اس پرانے قلعے اور اصلی
ماں پر قابض ہو گیا۔ اور اب اُس کی حکومت قزوین تک پھیل گئی۔

ان دنوں فاطمیوں میں سے ابو ہاشم نام ایک بزرگ نے شہر
گیلان میں دعویٰ امامت کیا تھا۔ کیا بزرگ نے پہلے تو انھیں دھکی دی
مگر جب دھکی کے جواب میں اُن کا عتاب آمیز خط آیا تو ایک فوج بھیج کے
انھیں شکست دی۔ مگر قتلہ کر لیا۔ اور خاتمہ یہ ہوا کہ وہ بچا رہے ان ظالم
و غوغوار دشمنوں کے ہاتھوں آگ میں زندہ جلا دیے گئے۔

شام میں اگرچہ فی الحال باطنیوں کا زور ٹوٹا ہوا تھا۔ ایک
طرف تو مسلمان امرا کا قلع و قمع کر رہے تھے دوسری طرف خود عیسائیوں
سے بھی اب تعلقات نازک ہو گئے تھے۔ مگر باوجود اس کے فدائیوں
کے جوش میں کسی قسم کی کمی نہیں آنے پاتی تھی۔ آٹھ فدائیوں نے حکمران تھول
پر ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ اور اُسے قتل کر ڈالا۔ ان میں سے سات تو گرفتار ہوئے

ما لے گئے۔ مگر ایک بھاگ کے بچ گیا۔ ان لوگوں کی عقیدت مندی اور جنت کے یقینی امیدوار ہونے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ اُس کی مان کو پہلے اس کے مارے جانے کی خبر ملی تھی جسے سن کے وہ بہت خوش ہوئی۔ کپڑے بدست۔ خوشبو لگائی۔ اور عید کے سے ٹھاٹھ کر کے بیٹھی تھی کہ معلوم ہوا زندہ ہے۔ فوراً بال نوچ ڈالے۔ کپڑے بھاڑ کے چھٹیک دیے کہ افسوس میرا بیٹا شہادت اور ایک درجہ اعلیٰ سے محروم رہ گیا! یہ اثر تھا جو حسن کی کوششوں سے مرد تو مرد و عورتوں تک کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔

اسی عہد میں آٹھواں فاطمی خلیفہ مصر بھی فدائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس لیے کہ حسن کے معتقد اُسے جائزہ دارش و امام نہیں تسلیم کرتے تھے بلکہ وہ تزار کی امامت کے معتقد تھے جسے وزیر مصر فضل کی سازشوں سے باپ کی خاندانی حکومت و امامت نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اس کے آٹھ سال بعد خود خلیفہ المسترشد باللہ عباسی فدائیوں کے ہاتھ سے سزاوار مارا گیا۔ اور اُس کے قتل میں اس قدر ہیبت سے کام لیا گیا کہ ناک اور کان کاٹ لیے گئے۔ اور لاش برہنہ سڑک پر ڈالی دی گئی۔ ان خلیفوں کے علاوہ اسی کیا بزرگ کے عہد میں ان فدائیوں کی سم آلود جھیر لوں نے خاص ابو سعید ہروی دولت شاہ فرمان روا سے اصفہان۔ آق سنقر حاکم مراغہ۔ ابوالقاسم حسن مفتی قزوین کے ایسے ایسے گرامی لوگوں کو بھی جام شہادت پلایا۔

محمد بن کیا بزرگ

کیا بزرگ کے بعد اُس کا بیٹا محمد التوتمت کے تخت پر بیٹھا۔ اور اس کی

اجداری کی ابتدا اس سے ہوئی کہ خلیفہ بغداد الرشید باللہ اس کے فدائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ رشید نے اپنے باپ مسترشد کے خون کا انتقام لینے کا سامان کیا تھا۔ اور ایک فوج جمع کر کے روانہ ہوا تھا کہ راستے ہی میں چارہ فداؤں کے ہاتھ سے اپنے شاہی خیمے میں سوتا ہوا مارا گیا۔ رشید باللہ کے مارے جانے کی خبر جب القنوت میں پہنچی تو بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ ان تمام بہادر فداؤں پر جو قلعہ القنوت کے گرد گرد حلقہ کیے ہوئے تھے سات شبانہ روز تک لذت بختی رہی ہر طرف خوشی کے چھپے تھے۔ اور ہر شخص انتہا سے زیادہ مسرور و مژملو ظ تھا۔

فدائیوں کا زور اور ان کا دستِ ظلم

اس امر کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا کہ ان سنگدل فداؤں کے ہاتھ سے کتنے آدمی مارے گئے۔ یہی بتانا کافی ہے کہ انسانوں کے ہر طبقہ اور ہر مذہب میں سے کوئی گروہ نہیں بچا تھا جس میں فداؤں کے خیر نے کوئی کمی نہ پیدا کر دی ہو۔ زمانِ ردائے القنوت جو شیخ الجبال کہلاتا تھا اس کے جانشان کا رگزار ہر شہر ہر قصبہ بلکہ ہر خانہ دان میں موجود تھے جس کسی کا نام اس خونخوار شیخ کی خون آلود دست میں لکھ گیا پھر اسے کہیں پناہ نہ مل سکتی تھی۔ مساجد کی حرمت۔ قلعوں کی مضبوط دیواریں۔ اور گھروں کے مقفل دروازے سب اس کے لیے بیکار تھے۔ کوئی شخص جس طرح دشت بے گیاہ میں تنہا ہونے کی حالت میں خائف تھا۔ اسی طرح بڑے بڑے زبردست لشکروں کے جھرمٹ میں بھی ان فداؤں سے کانپا کرتا تھا۔ یہ فداؤں صرف اتنی ہی غرض رکھتے تھے کہ چاہے مرنے یا جینے مگر جس کے قتل کا حکم ہوا اسے نہ چھوڑیں دشمنوں سے انتقام لینے ہی کے لیے یہ خون آشام کارروائی نہیں ہوتی تھی بلکہ کبھی صرف روپیہ فراہم کرنے یا دوستوں کے غول

کرنے کے لیے بھی لوگوں کی جانیں لگاتی تھیں۔ خود فدا کی اپنی خدمت ادا کرنے میں مارے جاتے شہید بننا لگے جاتے اُن کے پس بان دون کو قیمتی تحفے دیے جاتے۔ اور اگر وہ غلام ہو جاتے تو انھیں آزادی کی دولت ملتی۔ اس طرح سچان سرمدی اور اپنے دوستوں کو دنیاوی فائدہ پہنچانے کے لیے وہ قسم کھا کے گھر سے نکلتے اور جس کی جان لینا ہوتی وہ جہان ہوتا جا پہنچتے۔ اس کام میں وہ کسی مطلق پر وادہ نہ کرتے۔ بلکہ درحقیقت وہ موت ہی کو کامیابی سمجھتے تھے۔ بعض بدل کے اُفقوں نے اکثر بڑا عظم ایشیا کی پوری مسافت قطع کی۔ بلکہ بعض اوقات یورپ میں بھی قدم رکھا اور ایک کو اپنے سے دوسرے کو نے پر جا پہنچے۔ اُن کی گریہوں نے ان دنوں ساری دنیا میں اس قدر وحشت اور بدگمانی پیدا کر دی تھی کہ کسی کو اس امر کا علمینان کر لینا غیر ممکن تھا کہ یہ راہب جو کلیسیا کی قربان گاہ کے سامنے گھٹنوں پر گھڑا عبادت کر رہا ہے۔ یا یہ مہمان جو دسترخوان پر ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے شیخ اقبال کا فدا کی تو نہیں۔

۱۸۷۵ء

اس امر کا اعتراف ہمیشہ کیا جاتا تھا کہ یہ سلطنت جو حاصل کی جاتی ہے اپنے لیے نہیں بلکہ امام فائب کے لیے ہے جو عنقریب ظاہر ہوں گے۔ اُن کے خفیہ ارادہ چاہے جو کچھ ہوں مگر ظاہر میں ہی کہتے تھے کہ ہم سچے مسلمان اور حقیقت اسلام کے پیرو ہیں جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ سلطان شہر نے جب ایک قاصد بھیج کے باطنیہ کے عقائد دریافت کیے تو حسن بن صباح نے لکھا تھا کہ ہمارا ایمان تو جید ہے۔ اور صرف اُسی شریعت پر عمل کرنے کو صراط مستقیم سمجھتے ہیں جو خدا اور رسول سے ملی ہے۔ تخلیق عالم بعث و نشر حیزہ انرا۔ اور قیامت کے متعلق ہم وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ محمد بن کیا بزرگ اگرچہ خوش نصیبی سے باطنیوں کا بادشاہ ہو گیا۔ مگر

اس میں اپنے فرائض منصبی کے بجالانے کی کافی لیاقت نہ تھی۔ آخر کار باطنیوں پر
اس کی کمزوری ظاہر ہونے لگی۔ اور اکثر لوگ اُس کے بیٹے حسن کی طرف متوجہ ہوئے
جو بڑا عالم و فاضل تھا اور نہ مانہ مابعد میں عجیب و غریب طبیعت کا شخص ثابت
ہوا۔ اس کے کارنامے خود بانی مذہب و سلطنت حسن بن صباح سے بہت ملے
ہیں۔ لوگ روز بروز اُس کے زیادہ گرویدہ ہونے لگے۔ اور چند روز میں یہ
خبر مشہور ہوئی کہ حسن اپنے کو نائب امام بتاتا ہے۔ محمد کو جب یہ خبر ہو چکی تو بیٹے
کو دھمکایا۔ اور اُس کے ۲۵۰ ہم عقیدہ دوستوں کے سر کٹوا ڈالے۔ حسن نے اس موقع
پر اپنی برائت ظاہر کی۔ اور علانیہ اقرار کیا۔ کہ جو لوگ قتل کیے گئے وہ اصل لاد مذہب
اور دہریے تھے۔ اور مجھے اُن سے کوئی علاقہ نہیں۔ مگر خفیہ طور پر دوسرے
مریدوں کے پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اور باپ کی ناقابلیتی نے اسے اس
بات کا زیادہ موقع دیدیا۔ اس لیے کہ محمد اپنی کمزوری سے اُن تمام قلعوں
کی نگرانی نہیں کر سکتا تھا جو ہزار بائیل تک کو ہستان ہی کو ہستان میں پھیلے
چلے گئے تھے۔ بہاروں کا سلسلہ جو خراسان سے شروع ہو کے بحر خزر کے
کنارے کنارے آذربائیجان تک پھردیاں سے جنوب کی طرف عراق اور خجستان
تک پھردیاں سے طور و ثلیمنا و ثلیمنا سے گزرتا ہوا سواحل بحیرہ روم کے
سواحل تک چلا گیا ہے اس پورے سلسلے میں باطنیوں کے زبردست قلعے
مضبوطی سے قائم تھے۔ اور نقشے میں جو شخص اس سلسلے کو دیکھے گا وہی کچھ
اندازہ کر سکے گا کہ جو لوگ اس پورے کو ہستان پرادل سے آخر تک فاضل
ہوں اُن کی قوت کس قدر خوفناک ہوگی۔

حسن بن محمد کا بزرگ

حسن کی کوششیں جاری ہی تھیں کہ محمد ابن کیا بزرگ مر گیا۔ اور حسن نے

مسند مقدس پر بیٹھ کے تاج شہزادری سر پہ رکھا۔ اور بڑی آزادی کے ساتھ اپنے اصول جاری کرنا شروع کر دیے اُس نے تخت پر قدم رکھتے ہی باطنین کے تمام صاحب اثر لوگوں کو قطعہ آئینوت مین بلوائے جمع کیا۔ اور شہر دیکھا کہ بہت سے نئے رموز خاص بارگاہِ امامت سے بتائے گئے ہیں جن کا پوری امت پر ظاہر کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس حکم کے ساتھ ہی لوگ جوق جوق اطراف و جوانب سے آنے لگے اور قطعہ آئینوت مین اتنی خلقت جمع ہو گئی کہ اس سے پیشتر کسی نہیں جمع ہوئی تھی جب تمام داعی اور نقیب یکے قریب قریب ساری قوم جمع ہوئی تو ہرمضان کی ۲۷ تاریخ حن بن محمد ممبر برچڑھا اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ کے درمیان مین امام مہدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا جس میں یہ مضامین درج تھے کہ:

”جن چار اناشب ہمارا داعی اور چارہ نقیب ہے وہ تمام لوگ جو چارہ ای اتباع کرتے ہیں انھیں ہر امر میں خواہ ظاہری ہو یا باطنی اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ اُس کے احکام کو منکرل من اللہ اور اُس کے الفاظ کو ہمہ با نقیب سمجھیں۔ وہ کام ہرگز نہ کریں جس سے وہ منع کرے اور جو وہ حکم دے اُسے اُسی طرح بجالائیں کہ گویا چارے ہی احکام ہیں یا یہ خطبہ اس کے آئینے کہا۔ رحمت کے دروازے اُن سب لوگوں پر کھل گئے ہیں جو میری اطاعت کریں۔ تم خدا کے منتخب لوگ ہو۔ لہذا تمام شرعی قیدوں سے تم آزاد کیے گئے۔ اس خطبے کے بعد اُس نے بڑی دھوم دھام سے ایک دعوت کی جس میں لوگوں کے دروازے تڑوا دیے گئے۔ اور سب لوگوں نے سارا دن طرح طرح کی آزادیوں اور شہوت پرستیوں میں بسر کیا یہ دن اس کے بعد سے باطنیوں کی عید قرار پایا۔ اور اُسی دن سے شراب حلال ہو گئی۔ تمام شرعی کلیفین اُٹھادی گئیں۔ اور علانیہ بکا دیا گیا کہ یہ زبردستی کے اوامر اور ہی

واجب التعمیل نہیں۔ ہی زمانہ ہے جب سے تمام مسلمانوں نے باطنیہ لوگوں کو
ملاحظہ یعنی بے دین کے لقب سے یاد کرنا شروع کیا۔

حسن کا دعویٰ امامت

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حسن سے فاطمی خلیفہ مصر تضرع شدہ نے
بہر وقت ملاقات کہا تھا کہ میرے بعد میرا بیٹا نزار امام ہوگا۔ نزار کو مصر میں تو خلافت
نہیں ملی۔ مگر حسن بن صباح اور اس کے معتقدین اس وقت تک نزار ہی کی امامت
کے معتقد تھے۔ حسن بن محمد نے اپنے عہد میں یہ کمال کیا کہ اپنے آپ کو خود نزار کی
نسل سے مشہور کر کے دعویٰ امامت شروع کر دیا۔ اپنے آپ کو نزار کی نسل
میں داخل کرنے کے لیے یہ قصہ بیان کیا گیا کہ نزار بن مستنصر باللہ کا ایک چھوٹا
بچہ خود حسن بن صباح کے عہد میں قلعہ القنوت میں آ کے سکونت پذیر ہو گیا
تھا۔ جس کے حال سے سوا حسن کے اور کوئی واقف نہ تھا۔ اس نزاری اصل
سید زادے نے بیان شادی کی اور اس کے بیٹے کے گھر میں اتفاقاً اسی
روز بیٹا پیدا ہوا جس روز کہ محمد بن کیا بزرگ کی بی بی کا وضع حمل ہوا
دونوں لڑکے پوشیدہ پوشیدہ بدل لیے گئے۔ لہذا میں دراصل محمد بن کیا
بزرگ کا بیٹا نہیں۔ بلکہ میں نزار کا پوتا ہوں اس طریقہ سے اپنے آپ کو
نزاری اصل ثابت کر کے حسن بن محمد نے امامت کی سہ حاصل کی۔ اور خود
فاطمی بن گیا۔ حسن باوجودیکہ اپنے خاندان میں سب سے نمایاں نظر آتا
ہے مگر اسے چار برس سے زیادہ سلطنت نہیں نصیب ہوئی۔ اگر وہ اور
جیتا تو خدا جانے کیا کرتا۔ مگر کسی خاندانی رنجش کے باعث اپنے سالے کے
ہاتھ سے مار ڈالا گیا۔

محمد بن حسن شاہ التموت

اباُس کا بیٹا محمد ثانی باطنیوں کا بادشاہ ہوا تخت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کے قاتل اور اُس کے خاندان کے تمام زن و مرد کو قتل کرا ڈالا۔ اور اس کے بعد علوم کی سرپرستی اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گیا۔ علم و فضل میں یہ اپنے باپ سے بڑھا ہوا تھا۔ اور فلسفہ میں بہت اچھی بصیرت رکھتا تھا یہ اسی کے عہد کا واقعہ ہے کہ امام فخر الدین رازی شہر رے میں وعظ کیا کرتے تھے اتفاقاً لوگوں میں خبر مشہور ہوئی کہ امام ممدوح خفیہ طور پر باطنیوں کے معترف اور ان کے ہم عقیدہ ہیں۔ اس خلاف واقعہ اتہام کی تردید کے لیے امام موصوف ایک نئے نمبر پر چڑھے اور ایک تقریر کی جس میں عقائد اسماعیلیہ سے اپنی برائت ظاہر کی تھی اور جو شیعہ میں آ کے چند سخت و سست الفاظ باطنیوں کے خلاف کے تھے۔ اس کی خبر جب محمد ثانی فرمانروا سے التموت کو پہنچی تو اس نے ایک فدائی کو سکھا پڑھا کے روانہ کیا۔ یہ فدائی آ کے امام رازی کے تلامذہ میں شریک ہو گیا۔ اور برائے سات مہینے تک کمال ادب سے ان کے حلقہ درس میں شریک ہوتا رہا۔ سات مہینے کے بعد ایک دن امام رازی اپنے حجرے میں تنہا تھے۔ خدام باہر گئے ہوئے تھے۔ شاگردوں میں سے بھی کوئی موجود نہ تھا۔ ایسی حالت میں موقع پائے اُس فدائی نے امام ممدوح کو زمین پر دس بار اسینہ پر چڑھ بیٹھا۔ اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔ امام نے نہایت ہی خون زدہ ہو کے پوچھا: "آخر تم کیا چاہتے ہو؟" جواب ملا: "یہ کہ تمھارا سینہ چاک کر ڈالوں" پوچھا: "کیوں؟" کہا: "اس لیے کہ تم اسماعیلیوں پر لعن و طعن کرنے سے باز نہ آؤ گے" امام نے نہایت عاجزی سے رحم کی التجا کی۔ اور قسم کھا کے

وعدہ کیا کہ پھر کبھی تمھارے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالوں گا۔ فدائی نے اُن سے دوبارہ عہد لیا۔ پھر سینہ سے اُٹھ کے کہا: اچھا اُٹھیے۔ مگر یہ نہ سمجھے کہ میں نے ترس کھا کے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ مجھے حکم ہی اتنا ملا تھا۔ اگر قتل کی اجازت ہوتی تو میں بے پوچھے کچھ اسی وقت آپ کا کام تمام کر دیتا۔ پھر لوٹا۔ ہمارے بادشاہ محمد بن حسن نے آپ کو سلام کہا ہے اور اُس کی خواہش ہے کہ قلعہ میں آ کے اُس سے بیٹے۔ وہاں بے انتہا قوت آپ کے قبضے میں ہوگی۔ اور ہم نہایت وفاداری کے ساتھ آپ کی فرمانبرداری کریں گے۔ ہمارا بادشاہ کہتا ہے کہ عوام کے کہنے کی ہم کو کچھ پروا نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ باتیں چند روز میں معدوم ہو جاتی ہیں۔ مگر تم سے نامی گرامی فاضل گران پایہ کے الفاظ بیشک ڈرنے کے قابل ہیں۔ اس لیے کہ وہ پتھر کے نقش ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی مٹائے نہیں سکتے۔ امام فخر الدین نے جواب دیا کہ: مجھے التعمیت میں آنے کی توجہات نہ ہوگی۔ مگر ہمیشہ تمھارے بادشاہ کا ممنون احسان رہوں گا۔ اور کبھی اُن کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکلے گا۔ اس کے بعد فدائی نے دو قیمتی تحائف اور تین سو اثرفیان نذر کیں۔ اور کہا: یہ تحلوہ آپ کو ہر سال ملتی رہی گی۔ اور حجرے سے نکلا چلا گیا۔ امام رازی نے آخر تک اس عہد کو بنایا۔ اور اسماعیلیوں کی نسبت ان کی وضع میں جو فرق آگیا تھا اس نے لوگوں میں اشتباہ پیدا کیا۔ آخر ایک شاگرد نے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: میں ان لوگوں کو برا کہنا نہیں پسند کرتا جن کی دلیل خاردار ہے۔ اور جن کے ارادے بہت تیز ہیں۔

مگر اس عہد میں گو کہ ایران میں باطنیہ کی قوت بڑھتی جاتی تھی لیکن ملک شام میں سلطان صلاح الدین کے فتوحات نے اُن کی قوت

کو بہت کچھ نقصان پہنچا دیا۔ صلاح الدین ہی وہ شخص ہے جن نے اسماعیلیت کے مرکز اور بنی فاطمہ مصر کی خلافت کا دفعتاً دیا جس سے فراغت کرنے کے بعد ملک شام کو اپنے قبضے میں لاکے وہ دین اسلام کا سچا حامی بن گیا۔ اور اس کی زندگی کا زیادہ حصہ یورپ کے پر جوش مجاہدین اور صلیبی حملوں کے روکنے ہی میں صرف ہو گیا۔ مگر اسماعیلیوں کے نزدیک وہ ان کے مذہب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف فدائی خفیہ باندھ باندھ کے اس کی جان لینے کو روانہ ہوئے۔ شہر حلب کے باہر جبکہ وہ اپنے کمپین اترتا ہوا تھا چار فدائی یکے بعد دیگرے اپنے زہر آلود خنجر کھینچ کھینچ کے اس پر چھپے مگر چار دن تک کام رہے ان میں سے بعض اُس کے قریب پہنچ گئے تھے۔ جن کا ہاتھ خود صلاح الدین نے پکڑ لیا۔ الغرض صلاح الدین بالکل معجز طریقے سے بچا۔ اور وہی تھا جسے فلزیوں کے اس کاری خنجر سے نجات ملی۔ مگر ان لوگوں کے متواتر حملوں سے وہ بھی دل میں ایسا خائف ہو گیا تھا کہ اسماعیلیوں کی سر زمین سے واپس روانہ ہوا۔ اور شہر سیات کا محاصرہ اٹھا لیا جو غلامین باطنین کا مرکز تھا۔ اس کو باطنین بھی قیمت سمجھے۔ اس لیے کہ پھر انھوں نے صلاح الدین کی جان پر کبھی حملہ نہیں کیا صلاح الدین کی واپسی کے بعد رشید الدین ابوالحشر جو سنان کے لقب سے مشہور تھا شام کے باطنین کا سردار قرار پایا۔ اُس نے خود پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ ایک انامی کتاب اپنے معتقدین کے سامنے پیش کی اور خود پرستی کے دعویٰ نے یہاں تک جرأت دلائی کہ اپنے آپ کو ایک اوتار یا مظهرِ مینوی بتانے لگا۔ باطنی لوگ اُس کے نہایت ہی معترف تھے۔ سنان نے اپنا ایک سفیر بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ اموری کے پاس بھیجا۔ مگر وہ ان ایسی بد نظمیان ہو رہی تھیں کہ متعصب عیسائیوں کے ہاتھ سے سخت بے رحمی کے ساتھ مارا گیا۔ اور سنان

نے جب اُس کے قاتل کو طلب کیا تو عیسائیوں نے اُس کے سینے سے بھی اسکا ر
 کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسماعیلیوں اور فلسطین کے حکمران عیسائیوں میں بڑھ گئی۔ بیشتر
 اسماعیلی لوگ مسلمان قوتوں کے خلاف عیسائیوں کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اب
 خود عیسائیوں کے دشمن بنے۔ اور فدائیوں کے خفیہ طور پر بین سرداروں پر بھی تیر
 ہونے لگے۔ اور جس طرح پہلے مسلمان سردار اور امیر فدائیوں کے ہاتھوں سے قتل
 ہو رہے تھے اُسی طرح اب یہی سرداروں کی جانیں لی جانے لگیں۔

صلیبی عیسائیوں پر باطنیوں کے حملہ

جن لوگوں نے حروب صلیبی کی تاریخ پڑھی ہے اُن کو معلوم ہے
 کہ تیسری صلیبی لڑائی کے وقت انگلستان کا رچرڈ شیردل اور فرانس کا فلپ
 جبارض مقدس میں پہنچے ہیں تو عورتوں کے تعلقات۔ شہوت پرستی کے جذبات
 اور کفری کے بغض و حسد نے دونوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا تھا فلپ
 چند روز کے بعد فرانس کو واپس گیا۔ اور اپنی جگہ اپنے بڑے سردار شہر طاہر
 کے بار کو ٹیس کنراڈ کو اپنا جانشین مقرر کر گیا۔ کنراڈ اپنے آقا فلپ کی مرضی کے
 موافق ہر امر میں رچرڈ کی کارروائیوں پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا۔ اور ہر امر میں
 بادشاہ فرانس فلپ کے خوش کرنے کے لیے شاہ انگلستان کو مزہم ٹھہراتا
 تھا۔ اس کے اس طرز عمل کو چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک دن کنراڈ شہر
 طاہر کے بھرے بازار میں ایک باطنی فدائی کے خفیہ نشانہ بنا۔ اور حمام
 مستند مورخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اُس کا قتل شاہ رچرڈ کی غیہ
 سازش کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ انگلش مورخین اپنے بادشاہ کے دامن پر سے اس

خون کے دھبے کے دھوسنے کی بہت کوشش کرتے ہیں۔ مگر خود عربی مورخین اور شام کے مسلمان فرمانرواؤں کو اس بات کا پورا اعتراف تھا کہ اسماعیلیوں کے ہمدار سنان کو موافق کر کے خود رچھڑ ڈالنے کراؤ کو قتل کرایا۔ اس سے بڑھ کر اس سازش کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خود باطنی لوگ مقرر تھے کہ یہیں شاہ رچھڑ ہی نے اس کام پر مامور کیا اس کے چند ہی روز بعد عیسائیوں کے خلاف سازشوں کو اس قدر جوش پیدا ہو گیا تھا کہ فریڈرک بار و بر و سا یورپ کا ایک نامی فرمانروا جبکہ شمالی اٹلی کے شہر میلان کا محاصرہ کیے ہوئے تھا خاص یورپ کے وسط میں ایک فدائی کے فخر سے مارا گیا۔ اور آخر تک پتہ نہ چل سکا کہ وہ فدائی کسین سے آیا تھا یا شام سے اسے روم والوں نے رشوت دی تھی یا بغداد والوں نے۔ کراؤ کے مارے جانے کے دو سال بعد کاؤنٹ ساپین ارض فلسطین کے سفر کو گیا۔ اور اٹنا سے راہ میں شرمسیات میں ہونچ کے خاص سنان کا مہمان ہوا۔ بیان اسے قلعے کے دھس اور برج دکھائے گئے۔ خصوصاً ایک برج جو سب سے بڑا تھا اس کے ہر زینے پر دو دو سپاہی ادب سے کھڑے ہوتے تھے۔ ان کو دیکھ کے باطنیوں کے حکمران نے اپنے مسیحی مہمان سے کہا اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ایسے فرمانبردار سپاہی تھیں نہیں نصیب یہ کہتے ہی اس نے ایک زینہ کی طرف اشارہ کیا اور اس کے اس اشارے کے ساتھ ہی وہ دو سپاہی جو وہاں کھڑے تھے نیچے گر پڑے اور اسی وقت مر گئے۔ یہ تماشا دکھا کے سنان بولا انھیں دو پر منحصر نہیں یہ جتنے سپاہی سفید کپڑے پہنے کھڑے ہیں اشارہ کروں تو سب اسی طرح گر کر جان دیدیں گے۔ عیسائی بادشاہ نے کہا مجھ پر کیا منحصر ہے شاید کسی تاباں کو ایسی جاننا رہا یا نہ نصیب ہوگی۔ "کاؤنٹ ساپین مسیات سے ہوا کہ

موتے وقت جب سنان سے رخصت ہوا تو معزز میزبان نے کہا "اگر آپ کا کوئی دشمن ہو تو بتا دیجیے میرے فدائی بہت جلد اس کا کام تمام کر دیں گے"

حسن ثالث شاہ اہموت

اہموت کے بادشاہ محمد دوم کو آخر اُس کے بیٹے نے زہر دیدیا جو باپ کے بعد تخت نشین ہو کے حسن ثالث کے لقب سے مشہور ہوا۔ اصل یہ ہے کہ یہ حسن عقائد میں عام مسلمانوں کے موافق تھا اور شریعت اسلامیہ کی سچی پیروی کرتا تھا۔ باپ کی بے اعتدالیوں ہی نے اُسے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو تخت حکومت کو ایسے لائبریب اور فاسد العقیدہ حکمران سے خالی کرادے۔ تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے بڑے بڑے علماء و فضلا کو اپنے قلعہ میں مدعو کیا جن کی برکت سے نماز کے لیے صفین درست کی گئیں۔ مسجد میں آباد ہوئیں۔ تعلیم قرآن کے مدارس قائم ہوئے اس کے بعد حسن ثالث نے تمام ہمعصر سلاطین کے پاس سفارتیں بھیجیں اور سب کو علانیہ لکھ بھیجا کہ میں شریعت اسلامیہ کا سچا پیرو ہوں۔ اور اسی اصلی دین کو اپنی قلمرو میں مروج کرنا چاہتا ہوں جو حضرت سرور کائنات صلعم سے ثابت ہے۔ قزوین کے بعض لوگوں کو اُس کی راستبازی میں شک تھا جنہیں اُس نے یونان و لیبیا کے وکیلوں کو قلعہ میں بلائے عام حاضرین کے سامنے حسن بن صباح بانی فرقہ باطنیہ کی تمام کتابیں آگ میں جلا دیں۔ تخت نشینی کے دوسرے سال اُس نے اپنی ماں اور بیوی کو ایک بڑے ساز و سامان کے ساتھ حج کے لیے روانہ کیا

یہ شاہی جلوس جس فرارنروار کی قلمرو سے گذرنا وہ بڑی قدر و منزلت کرتا۔
اور بڑی عزت سے پیش آتا۔ خود خلیفہ بغداد نے یہاں تک عزت کی کہ زبردست
فرارنروارے خوارزم کے علم سے آگے التمنوت کا علم روانہ ہوا۔ اس کے بعد خود حسن نے
ڈیڑھ سال کا ایک سفر کیا۔ اور جس بادشاہ کے ملک میں گیا بڑی عزت کی گئی۔ ان
کارروائیوں کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ ساری دنیا سے اسلام تو اس سے موافق تھی
مگر باطنی لوگ دشمن ہو رہے تھے غالباً اسی دشمنی کی بنیاد پر اسے زہر دیا گیا۔

محمد ثالث بادشاہ التمنوت

اب التمنوت کے تخت پر مرحوم حسن ثالث کا بیٹا علاء الدین محمد جو محمد ثالث
کے لقب سے مشہور ہے قابض ہوا۔ محمد ثالث تخت نشینی کے وقت نو برس کا بچہ
تھا۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں انتظامات سلطنت دیے گئے تھے اگرچہ انھوں نے
حسن ثالث کے قاتلوں کو قتل کر ڈالا۔ مگر حسن بن صباح کے مذہب کی پھراشاعت
ہونے لگی۔ محمد ثالث اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں سخت بیمار ہوا۔ کسی جاہل
طیب نے فصد تجویز کی۔ اور فصد میں بھی اتنا خون لے لیا کہ نو عمر بادشاہ کا دماغ
ہمیشہ کے لیے خراب ہو گیا۔ اب اس کی یہ حالت تھی کہ ہولعب اور سیکر لون میں
پڑ گیا۔ اور مہمات سلطنت کے متعلق اگر کوئی کبھی ایک لفظ بھی نہ بان سے نکالتا تو
فورا قتل کیا جاتا۔ مجبوراً یہ طرز اختیار کیا گیا کہ کل امور بادشاہ سے چھپا کر
جانے اور کسی کو قریب جانے کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی۔ بادشاہ کی عزت
اور مہمات سلطنت کی بے نظمی نے اگرچہ ان دنوں باطنیوں کی قوت کم کر دی تھی لیکن
قزاقوں کا جوش اس ضعف کے زمانے میں بھی ہمیں دیکھا ہی نظر آتا ہے۔

اسی عہد کا واقعہ ہے کہ سلطان خوارزم نے کسی بات پر خوش ہو کر شہر سیلاوی
 اور اُس کے گرد و کھال امیر آرخان کو دیدے تھے۔ آرخان کسی دور کی مہم پر گیا
 ہوا تھا۔ اور جو شخص اُس کی قائم مقامی کر رہا تھا اُس نے باطنین کی قلمرو پر حملہ کر کے بعض
 گاؤں لوٹا لیے تھے۔ فوراً التوت سے ایک سفارت گئی۔ اور اس نے اعتمادی
 کا جواب طلب کیا گیا۔ مگر سفرون پر برہمی کے ساتھ بجائے اس کے کہ لفظوں میں جواب
 ملے اشارات میں یہ ظاہر کیا گیا کہ اُس کے سامنے چند خنجر لاکے ڈال دیے گئے۔ اس پر زربا
 التوت اور برہم ہوا۔ فوراً چند فدائی بھیجے گئے۔ جنھوں نے اس مہم جی میں آرخان
 کا کام تمام کر دیا۔ یہ پر جوش فدائی آرخان کی جان لینے کے بعد بجائے اس کے کہ بھاگ
 کا ارادہ کریں اپنے خون آلود خنجر خون کو بلند کیے ہوئے شہر کے بازاروں میں نکلے اور
 باطنین کے بادشاہ علاء الدین کی سطوت و جبروت کا حال چلا چلا کے بیان کرتے جاتے
 تھے۔ انھوں نے علامتہ یہ بھی دعویٰ کیا کہ ابھی ہمیں سلطان خوارزم کے وزیر سے
 انتقام لینا باقی ہے یہ کہتے ہوئے وزیر کے محل میں گھسے اور اُسے ڈھونڈنے لگے۔
 مگر اتنی دیر میں شہر والوں نے پورش کر دی اور انھیں ڈھیلے مار مار کے ہلاک کر ڈالا
 جس وقت یہ واقعہ پیش آیا ہے اسی وقت بدر الدین احمد نام التوت کا ایک اور سفیر وزیر
 سے ملنے کو آ رہا تھا۔ راستے میں اُسے اپنے فلائیون کے مارے جانے کا حال معلوم
 ہوا تو وہ میں بھڑ گیا اور خط لکھ کے وزیر سے دریافت کیا اب تمہارا کیا منشاء ہے
 میں آؤں یا واپس جاؤں؟ وزیر آرخان کے مارے جانے اور اپنی جتو کے قہقہے
 دیکھ کے ایسا سم گیا تھا کہ فوراً اُس نے سفیر کو امن و امان کے ساتھ بلوایا۔ بے انتہا
 خاطر داشت کی اور شرط صلح سننے سے پیشتر وعدہ کر لیا کہ آپ جو فرمائیں مجھے منظور ہے۔
 آخر ان دو باتوں پر صلح ہوئی کہ جنگ و پیکار کا خاتمہ ہو اور قلعہ و آستان باطنین
 کے فرمانروا کے ہاتھ بیچ ڈالا جائے۔

یہ سفیر شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد بھی چند روز تک وزیر کا مکان رہا۔ ایک دن وزیر کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا باتوں باتوں میں کہنے لگا: "ہم سے دوستی اور ہمارے خاندانوں سے بہت کم کوئی جگہ خالی ہے۔ خود آپ کے درباریوں اور محافظوں میں ہم سے بہت سے فدائی موجود ہیں۔" وزیر نے گھبرا کر پوچھا: "وہ کون لوگ ہیں؟" اور اس کے ساتھ ہی اپنا رومال باطنی سفیر کی طرف پھینکا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں انھیں پناہ دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ وزیر کا رومال پھینکنا تھا کہ خود اس کے منج کے ملازمین میں سے پانچ آدمی بڑھ کر آگے آئے اور بولے: "ہم باطنی فدائی ہیں۔" ان میں سے ایک ہندوستانی شخص تھا جس نے اپنے ساتھیوں سے قدم آگے بڑھا کر کہا: "اسی دن اور اسیرم میں تمھیں قتل کر ڈالتا۔ مگر ایسا ارادہ نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ ابھی تک مجھے تمھارے قتل کا حکم نہیں ملا ہے۔" سننے ہی وزیر سر سے پاؤں تک کانپ گیا اور گھبرا کر خود اپنے ان ملازمان کے قدموں پر گر پڑا۔ اور التجا کرنے لگا کہ میری جان نہ لینا۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ ہمیشہ اپنے آپ کو تمھارے بادشاہ کا ایک ادنیٰ غلام سمجھوں گا۔" بدر الدین نے اس کی یہ حالت دیکھ کر اسے تسلی دی۔ اور رخصت ہو کر اہموت روانہ ہو گیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدائیوں میں ہندوستانی لوگ بھی موجود تھے جو غالباً ملتان و سندھ سے گئے ہوں گے جہاں مذہب اسماعیلیہ زور و زور پھیل رہا تھا۔

ان واقعات کی خبر جب سلطان غوارزم کو پہونچی تو اپنے وزیر کی بزدلی پر نہایت برہم ہوا۔ اور ایک خط کے ذریعہ سے بہت کچھ لعنت و لعنت کی اور حکم دیا کہ "میرا خط پہونچنے ہی وہ پانچوں اسماعیلی باطنی کپڑے کے زندہ آگ میں جلا دیے جائیں۔" سلطان کے حکم سے انھیں نہ کیا جاسکتا تھا۔ مگر اسی اُس وقت کا سین عجیب و غریب تھا۔ وزیر باطنی کے خوف سے ڈر رہا تھا۔ اپنی بد عہدی

پرسہ داتا تھا۔ مگر وہ اسماعیلی جو آگ کے شعلوں میں جل رہے تھے جو شمشیر و
سے نرٹے مسرت بلند کر رہے تھے۔ کہ ہمیں شہادت نصیب ہوئی! اور اس کے
ساتھ علاء الدین محمد ثالث کی مدح رائی کرتے جاتے تھے۔ جب یہ خبر آتمونت میں
پہنچی تو وہاں سمجھ لیا گیا کہ اس امر میں دزیرہ کو بہت حکم و خل ہے۔ مگر خفیہ طور پر اسے
لکھا گیا کہ تم نے ہمارے پانچ جان نثاروں کو آگ میں جلا یا ہے۔ اگر اپنی جان بچانا
چاہتے ہو تو ان میں سے ہر ایک کی جان کے معاوضہ میں دس ہزار اشرفیان
روانہ کرو۔

دزیرہ نے اس جرمانہ کو بہت غنیمت سمجھا۔ باطنیوں کے سفیر کی بڑی قدر
و منزلت کی اور صرف وہ جرمانہ ہی نہیں روانہ کیا بلکہ وہ رقم بھی واپس کر دی
جو قلعہ و آملخان کے فروخت میں فرمانرواے آتمونت سے وصول ہوئی تھی۔

رکن الدین خورشاہہ آخری بادشاہ آتمونت

۱۲۵۴ء میں شاہ آتمونت علاء الدین محمد بھی خود اپنے اکھا دم کے ہاتھ سے
قتل ہوا۔ اور اُس کا بیٹا رکن الدین خورشاہہ تخت نشین ہوا۔ یہی شخص باطنیوں کا
آخری بادشاہ ہے۔ تخت نشینی کے وقت وہ بہت کم سن تھا۔ سلطنت کے نظام
جو علاء الدین کے وقت سے بگڑ گئے تھے اُس کے سنبھالنے نہیں سنبھل سکے
اور غضب یہ ہوا کہ میں اُس وقت جبکہ باطنیوں کی سلطنت ضعیف ہو رہی تھی
ماتاریوں کا ٹیڑھی دل مشرق سے ایک سخت طوفان کی طرح اُٹھا اور ہلاک و خان
کا لشکر مملکت ایران و عراق کے پر باد کرنے کو روانہ ہوا اس کے تحت پُرانے دُون
منقو خان جلوہ افروز تھا اور قجائی کا جھنڈا ہلاک و خان کے ہاتھ میں تھا بعض

داعیات سے پتہ چلتا ہے کہ باطنین نے خود ہی تاتاریوں کو چھیڑا۔ اور اُن کے شاہی خاندان پر حملے کیے۔ مگر عام مورخین کا بیان ہے کہ باطنین کے ظلم و ستم سے لوگ اس قدر چیخ اُٹھے تھے کہ مستعصم باللہ خلیفہ بغداد اور شہر قزوین کے مہود لوگوں کی طرف سے تاتاریوں کے شہنشاہ کو لکھا گیا کہ باطنی لوگ ڈیرہ مہو میں سے سائے ایشیا کو تباہ کر رہے ہیں۔ اور اُن کا استیصال ہمارے امکان سے باہر ہے۔ ان سفارشوں کے پہونچنے ہی منقو خان فوج کشی پر آمادہ ہو گیا۔ اپنے بھائی ہلاکو خان کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مغرب کی طرف روانہ کیا۔ اور رخصت کرتے وقت یہ کہات کہ: "میں تمہیں ایک بڑے زبردست لشکر اور سواروں کی جابجا جماعت کے ساتھ روانہ کرتا ہوں۔ یہ ایسے بہادر سپاہی ہیں جن سے بہتر سارے توران و ایران میں نہیں مل سکتے۔ خبردار ہر امر میں جنگیزی رسوم و آئین کی پیری کرنا۔ اور دولت مغول کی قلمرو کو دریائے جیخون سے بڑھاتے بڑھاتے دریائے نیل تک پہونچا دینا۔ جو لوگ اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ اور اپنی قسمت بھگت کر لیں۔ ہاتھ میں دیدیں اُن کے ساتھ مراعات کرنی چاہیے۔ مگر جو مزاحمت کریں۔ خبردار اُن کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کی جائے۔ انھیں مع زن و فرزند قتل کرنا۔ باطنین کے استیصال کے بعد تمہیں قرآن کی مہم سر کرنا ہے۔ اگر خلیفہ بغداد اطاعت کرے اور بھاری پناہ میں آنا چاہے تو اس پر مہربانی ہو۔ لیکن اگر اس سے سربازی ظاہر ہو تو اُس کا بھی وہی حال ہو جو اور دن کا ہوگا۔"

ان دنوں محقق اسلام خواجہ نصیر الدین طوسی رکن الدین خورشاد کے وزیر تھے۔ اُن کے بیان پہونچنے کا یہ سبب ہوا کہ جب علوم و باطنیہ میں اُن کے علم و فضل کی بے انتہا شہرت ہوئی تو انھوں نے دربار خلافت کے خوش کرنے کے لیے اپنی ایک بیش بہا تصنیف کے خطبہ میں المستعصم باللہ کا نام درج کیا۔

اور خلیفہ کو اپنا مربی بنانے کی کوشش کی مستعصم باللہ ابتداً اس کتاب کو دیکھ کے بہت خورش ہوا۔ مگر ابن علقمی کو جو مستعصم باللہ کا صاحب اثر و زور یہ تھا خواجہ نصیر الدین طوسی سے عداوت تھی۔ اُس نے خلیفہ کے برہم کرنے کے لیے یہ اعتراض کر دیا کہ حضور کے نام کے ساتھ اس کتاب میں خلیفہ اللہ علیہ السلام کا لازمی لقب نہیں لکھا گیا ہے یہ سنتے ہی جاہل و نا عاقبت اندیش خلیفہ بہت برہم ہو کے بولا، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف سخت بے عقل ہے اور وہ کتاب دریا سے درجہ میں پھینکوا دی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کو یہ امر نہایت ناگوار گذرا۔ اسی وقت سے مقام پر آمادہ ہو گئے۔ اور خلیفہ بغداد کے ہاتھ سے اس میں رہنے کے لیے التعمیرت کے دربار میں جا کے پناہ لی۔ یہاں اُن کی ایسی قدر و منزلت ہوئی کہ وزیر سلطنت بنائے گئے۔ لیکن چند روز میں جب اُنھیں نظر آیا کہ التعمیرت کا بادشاہ اُن کی خواہش پوری کرنے پر چند دن مستعد نہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ اس نازک زمانہ میں سب سے زبردست سرپرست ہلاکو خان ہو سکتا ہے تو فرمانروائے التعمیرت کو بھی چھوڑ دیا۔ اور اس بات کی کوشش شروع کی کہ باطنیوں کے قلعوں پر تاتاریوں کی حکومت ہو جائے۔

الغرض خواجہ نصیر الدین طوسی کی کوشش اور تاتاریوں کے زبردست اسلحہ نے باطنیوں کی ڈیڑھ سو برس کی مضبوط اور خوفناک سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اور دنیا کو اُن چھری بند قیدیوں کے دست ستم سے نجات ملی جنھوں نے ایک صدی سے زیادہ زمانے تک دنیا کی عجیب حالت کر رکھی تھی اور ہر طرف ایک تہلکہ مچا رکھا تھا۔

باطنیوں کا اتصال

جس زمانے میں ہلاکو خان کے ساتھیوں نے ایران میں باطنیوں کا خاتمہ کیا اُسی

زمانے کے قریب ہی مصر کے سلطان تیسرے نے ارض شام کے اسماعیلیوں کا
استیصال شروع کر دیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ فدائی ہونا سازی اسلامی دنیا میں ایک جرم
قرار پا گیا۔ اور اس مذہب کا جو شخص جہان مالا مال کھلے قتل ہونے لگا۔ سلطنتوں کے رعایا
بھی اُن کی دشمنی پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس لیے کہ کوئی نہ تھا جس کے دل کو ان انسان کش
ٹھگون کے ہاتھ سے صدمہ نہ پہنچا ہو۔ آخر متواتر قتل اور خونریزیوں نے فدایت
کی چھری ہمیشہ کے لیے کند کر دی۔ اور بعد کے زمانوں میں ڈھونڈنے اور بھونکنے سے
یہ تو بے شک ثابت ہو جاتا ہے کہ تھوڑے بہت باطنی اور اسماعیلی ارض شام و عراق
و ایران میں موجود تھے۔ مگر وہ فدایت کا جوش ایسا فرو ہوا کہ گویا اس مذہب کو
اس سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔

— تیمور لنگ جب فتح و نصرت کے پیر سے اڑا ہوا ارض آذربائیجان میں داخل
ہوا تو اُس نے وہاں بہت سے اسماعیلی پائے جو قدیم باطنیوں کی یادگار تھے۔ اور
ہاگو کی خون آشام تلوار سے بچ رہے تھے۔ بین بنین آل عثمان کے اجدادوں
نے جب عرب کے جنوبی بلاد میں کو فتح کیا ہے۔ تو وہاں بھی بہت سے اسماعیلی آباد
نظر آئے عرب کے ساحلی ملکوں یعنی جعفر موت عمان اور جزیرہ بحرین میں اسماعیلیت
کی جڑ بہت دلوں پہلے سے قائم ہو چکی تھی اس لیے کہ ان مقامات میں ہمیشہ اُن کو
نے پناہ لی جو خلافت بغداد کے خلاف تھے۔ اور قاطعی خلفا کی طرف داری کا دعویٰ
کرتے تھے۔ پہلے قرامطہ نے اسی مذکورہ بلاد عوسے یعنی امامت نبی قاططہ
کی طرف داری کے ساتھ عوام کو روڑا ایک نئے غائب امام کا دلدادہ بنایا
جو اگر سچ پوچھیے تو پہلے اسماعیلی تھے۔ اور جب کبھی اُنھیں بیان بھی پناہ دیتی تو
جہازوں پر سوار ہو کے ارض سندھ میں ہوتا رہتے۔

سندھ اور ہندوستان کے طہنی

سندھ خلافت عباسیہ کے ماتحت ہونے کے بعد پہلے تو اسی مذہب کا پابند تھا۔ جو ساری اسلامی دنیا کا مذہب تھا۔ مگر جب بغداد اپنے توابع کی نگرانی نہ کر سکا۔ اور اس کے ماتحت صوبجات بغلی کے ساتھ آزاد ہونے لگے۔ تو یہاں عمان و بحرین کے اسماعیلیوں کی بہ کثرت آمد و رفت ہوئی۔ اور اسماعیلیوں کا مذہب روز بروز یہاں کا عام مذہب بننے لگا۔ مستعودی۔ ابن خرداد بہ۔ ابن حوقل۔ ابوالحسن۔ الطبری۔ اور علامہ بشاری کے سفر ناموں کو اگر ترتیب سے رکھا جائے تو صاف نظر آجاتا ہے کہ اسماعیلی مذہب آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے کس طرح سندھ کے تمام مسلمانوں کا مذہب بن گیا تھا۔ دو مقام بیان کے مرکز تھے۔ اور انھیں کے لحاظ سے بیان دو چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں۔ ایک کا مستقر مٹان تھا۔ اور دوسری سلطنت کا دار الحکومت سندھ کا شہر منصورہ جس کا اب کہین پتہ نہیں ملتا۔ صرف ایک نام اس بات پر اس کا نام یاد دلانے کو باقی ہے۔ کیونکہ "مانتر" کا لفظ غالباً منصورہ ہی کا مخفف ہے۔ مذکورہ سیاحوں کے بیان سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ مٹان تو پہلے ہی اسماعیلی مذہب کا پیرو ہو چکا تھا۔ منصورہ باقی تھا۔ چند روز بعد اس نے بھی خلافت بغداد کے مذہب کو چھوڑ دیا۔ اور دونوں جگہ کی مسجدوں کے خطیبین میں مصر کے خلفائے بنی فاطمہ کا نام شامل ہو گیا۔ اذان میں کلمۃ اشھد ان بیلک و لی اللہ بڑھ گیا۔ اور آخر مذہب کو یہاں تک ترقی ہوئی کہ سکھ بھی یہاں خلفائے مصر کا چل رہا تھا۔ ہندوستان کے مورخین ابھی تک سندھ کے اس دور کے حالات سے ناواقف ہیں جو بے سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے تاریخ النفس کے نقش قدم پر چلے جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ تحقیق نے اس خیالی دفتر ہی کو

اُسے دیا جو سومرہ قوم کو تیسرہ راجپوت قرار دے کے مرتب کیا گیا تھا اور جو قلعہ ہوا میں
مسٹر الفسٹن نے تعمیر کیا تھا۔ اُنکے دین کے محل کی طرح ایک دم بھر میں ہوا ہو گیا۔ مگر افسوس کہ
افسٹن کی غلط بیانی سے تمام سرکاری مدارس میں یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے بڑھ
کے کیا ہو گا کہ ہمارے مخدوم و کرم خان بہادر مولانا مولوی ذوالکائنات بھی اپنی مستند تاریخ
کو اس غلطی سے پاک نہ کر سکے۔

جس ابوالفتح سے سلطان محمود نے ملتان کو چھینا وہ ملتان کے اسی اسماعیلی
شاہی خاندان کا پچھلا وارث تھا۔ اسماعیلیوں اور خاصۃً باطنیوں کو اہل عجم ملاحہ کے لقب سے
یاد کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ سندھ کے سومرہ خاندان والے بادشاہوں کو جن کا آخری
وارث ابوالفتح تھا ملاحہ کہتے تھے۔ مگر ہمارے مستند مورخ مسٹر الفسٹن لفظ ملاحہ کے لغوی
معنوں کا خیال کر کے سمجھ گئے کہ اس سے ہندو مراد ہیں اور خیال کیا کہ سومرہ لوگ ہندو
پھر راجپوتوں خاندانوں کی قبرستان میں ڈھونڈنے کے تیسرے راجپوتوں کی ایک ذات کالی
اور چونکہ یہ لفظ سومرہ سے ملتا جلتا تھا لہذا دعویٰ کر دیا کہ سومرہ راجپوتوں نے مسلمانوں
کو سندھ سے مار کے نکال دیا۔ اور خود حکمران ہو گئے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی تحقیق سے کام
لیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ سندھ پر عربوں کے تسلط کے بعد سے کبھی
ہندوؤں کی حکومت نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ خلافت بغداد کے بعد سومرہ قابض ہوئے
جو اسماعیلی اور باطنی فرقہ کے مسلمان تھے پھر ان سے اس ملک کو محمود غزنوی نے
چھینا جس کے بعد سے انگریزی حکومت تک ہمیشہ مسلمانوں ہی کا تسلط رہا۔

جن لوگوں نے تاریخ فرشتہ میں سلطان محمود غزنوی کی فتح ملتان کا حال بڑھا ہوا بیان
یاد ہو گا کہ محمود کی روانگی کی خبر سنتے ہی ابوالفتح نے وطن اور حکومت کے چھوڑنے کا ارادہ کر دیا۔
اور اپنے تمام عزیزوں اور دوستوں کو ساتھ لے کے اور انھیں ہاتھوں پر بٹھائے ارض بلندی
کے ارادے سے جنوب کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ جان سے پھر اسے کبھی واپس نہ نصیب ہوا۔

اور اسکی سلطنت ہمیشہ کے لیے ایرانی دہتر کی فاتحین ہند کے قبضہ میں آگئی اور وہ طینی بادشاہ سے اپنے پیروں کے یہود کے دس سبطوں کی طرح ہمیشہ کے لیے دنیا سے غائب ہو گیا۔

اسماعیلیوں یا ہورون کی اصلیت

آج کل کے قریب قریب تمام مورخین متحیر بلکہ اس تاریخی نمبر کے حل کرنے سے عاجز ہیں کہ ہورے جو مدت ہائے وراثت سے بھٹی اور اطراف گجرات میں آباد ہیں یہ بیان کب اور کیونکر آئے یہ مسئلہ بیان تک لاطالی میں پڑ گیا ہے کہ خود ہورے بھی جو درحقیقت مذہب اسماعیلیہ کے پیرو ہیں اس کا جواب دینے سے عاجز ہیں۔ ان میں سے اکثر خود ہی اپنے آپ کو نو مسلم تسلیم کرتے ہیں اور کبھی زیادہ تجسس سے پوچھا جائے تو ایک کہانی کی طرح یہ مختصر قصہ دیتے ہیں کہ بہت زمانہ ہوا۔ ہماری مذہب کے ایک بڑے عالم بزرگ سواحل ہند پہنچے تھے۔ انھیں

کی کوشش سے ہم سب مسلمان اور اس مذہب کے پیرو ہو گئے۔
شاید ایسے کوئی بزرگ بھی آئے ہوں مگر صحیح یہ ہے کہ ممبئی کے اسماعیلیوں یا ہورون میں اکثر خاص عربوں کی اولاد ہیں اور انھیں لوگوں کی نسل میں جو ابوالفتح کے ساتھ سلطان محمود کے خوف سے بھاگ کے جنوب کی طرف گئے۔ اور گجرات کو اس زمانہ کی حکمت و تدبیر کے آباد ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ عرب ہندوستان میں عموماً اعلان و تحریک و حضرموت سے آیا کرتے تھے۔ کیونکہ قدیم لایام میں ان ممالک کے تمام لوگ مذہب اسماعیلیہ کے پیرو تھے۔ اور اسماعیلیت ان ممالک عرب کا حامی مذہب کا بن گئی تھی۔ اور میں میں تو حکمران آل عثمان کے زمانے تک اس مذہب کا پتہ لگتا ہے۔ ہندوستان سے جو سیاح و سوداگر آئے ہوں گے ان میں سے بھی بعض اس مذہب کے پابند ہوں گے ان امور سے صاف پتہ چلا جاسکتا ہے کہ ہورے ہندوستانی اصل نہیں بلکہ ان کی زیادہ جماعت خاصۃً عربوں کی نسل سے ہر جو یا تو سندھ سے نکل کے گجرات میں آئے یا سندھ ممالک عرب سے۔

الغرض اس طریقے سے اسماعیلیوں اور باطنیوں کا مذہب ہندوستان میں آیا اور نہ
 آج تک پوری قوت کے ساتھ موجود ہے ہندوستان کے یہ تجارت پیشہ اسماعیلی اصول
 کو پوری عقیدت کے ساتھ مانتے ہیں کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اور اصل وہی ہے جو باطن
 ہو۔ اس کے ساتھ ان میں اپنے چھپانے اور اپنے اصول کے غیروں سے محفوظ رکھنے کی
 پوری پابندی کیجاتی ہے۔ ہزاروں چھپے کھپے بتائیں گے کہ ان کے کیا عقائد ہیں یا ان کے اور
 دیگر فرق اسلامیہ کے عقائد میں کیا فرق ہے۔ مگر خلافت کا جو جس جب سے فرو ہوا کچھ نہیں
 ہندوستان میں ان لوگوں نے اکثر اس امان کی زندگی بسر کی۔ اور آج انگریزی سلطنت
 کے ماتحت نہایت آزادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ایران کے موجودہ باطنی

میں نہیں ان کے مذہب ہی بھائی بند ایران و شام اور افریقہ کے مالک زنجبار وغیرہ
 میں بھی اس وقت موجود ہیں۔ گراہان میں حتی الاسکان اپنے آپ کو چھپاتے ہیں اور شام
 میں بدوی قبائل عرب کی طرح مرکز اور سلطنت کے باغی بنے ہوئے ہیں۔ ایران والے چند
 روز پیشتر تک دعوے کرتے تھے کہ ان کا امام سو وقت تک موجود ہے جو شاہ خلیل کے نام سے
 یاد کیا جاتا ہے اور خاص اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ وہ
 شہر قم کے پاس مقام خنج میں رہتا ہے۔ اور اس سے اکثر کرامات و خوارق عادات کی
 ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ ایک انگریزی مورخ کا بیان ہے کہ ہندوستان کے اسماعیلی یعنی ہنور
 بھی اکثر اس کی زیارت و بیعت کو دمان پہنچا کرتے ہیں۔ اور کیا عجیب اسی خاندان سے
 ہزارئیں سرخا خان بھی ہوں جو جو خون کے اعتقاد میں اس وقت امام عصر اور سلسلہ است
 میں اٹھالیسویں امام ہیں۔ اور ہندوستان کے سارے مسلمانوں کے پوپٹکل سید
 ہیں۔

شام کے موجودہ اسماعیلیں دروز

شام کے اسماعیلی فی الحال تین فرقوں پر بنے ہوئے ہیں۔ سیدیانی، جعفری اور دروز۔ صوبہ سے زیادہ جماعت تو دروز کی ہے۔ جنھوں نے حسن بن صباح کے اصول کو چھوڑ کر ایک نیا مذہب بنالیا ہے۔ اس مذہب کی ابتداء یون ہوئی کہ گیارہویں صدی عیسوی میں خلفائے بنی فاطمہ مصر میں سے الحاکم بامر اللہ نے جب پرائے خیال کے مسلمانوں پر بے انتہا مظالم کر کے تمام مخالفت کو تین توڑ دین تو اس کے اشارے یا اسکی ہدایت و جبروت نے خاص اسکی نسبت ایک نیا خیال پیدا کیا جس کا خطہ یون ہوا کہ محمد بن اسماعیل نام ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ خلیفہ الحاکم خداوند جل و علا کا ایک مظہر کامل ہے جس اصول نے خلیفہ یا امام کی ذات میں ایک شان الوہیت پیدا کر دی اور اسے ایک پورا دیوتا بنا دیا۔ یہ خوشامد آمیز عقیدت الحاکم کو ایسی پسند آئی کہ اس کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ حکومت کے زور سے اور لوگوں کو بھی اس عقیدے کا پابند بنانے لگا۔ اس طریقہ سے جو لوگ محمد بن اسماعیل کے ہم عقیدہ بنائے گئے۔ ان لوگوں نے دروز کا خطاب دیا۔ انگریزی مورخ مسٹر فلو بیسی۔ نیلر صنف کتاب "ہسٹری آف محمد نزم سیدائس کس" (تاریخ اسلام و فرق اسلام) میں لکھتے ہیں کہ "دروز" کا لفظ عربی لفظ "دروز" سے نکلا ہے جس کے معنی "مست" کے ہیں۔ ہیں بد نصیبی سے دروز کے یہ معنی کہیں نہیں نظر آئے۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ شاید انہیں لفظ "دروز" سے دھوکا ہوا۔ اس لیے کہ بے شک دروز کے معنی عربی میں مست کے ہیں شاید لکھنے والا ذال کا نقطہ دینا بھول گیا۔ اور وہ سمجھ گئے کہ دروز کے یہ معنی ہیں۔ دروز عربی میں کبرے کو کہتے ہیں اور جب اس کا استعمال انسانوں کی طرف کیا جاتا ہے تو دروزی یا ذلیل طبقے کے عام لوگوں سے عبارت ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء ذلیل طبقہ کے لوگوں

یاد رکھو یونین یہ عقیدہ رواج پذیر ہوا۔ لہذا لوگ تقلیداً اس عقیدہ کے تمام پیروں کو ذرہ ذرہ کہنے لگے۔ اور آخر اس نام کی بیان تک شہرت ہوئی کہ خود اس مذہب والوں نے بھی اپنا یہ لقب تسلیم کر لیا۔ مگر وہ اپنے لیے "موحد" کے لقب کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لیے کہ کہتے ہیں تو حید کو صرف ہمیں نے سمجھا ہے۔ اس مذہب کا سب سے بڑا داعی اور رواج دینے والا حمزہ بن علی نام ایک شخص تھا جس کے خطوط تبلیغ کا ایک مجموعہ یورپ میں چھپا ہے۔ یہ مجموعہ کتاب اللہ کے نام سے مشہور ہے اور فرقہ دزد و دین قرآن سے زیادہ مقبولیت و وقت رکھتا ہے۔ حمزہ نے اس فرقہ والوں کے سامنے یہ اصول پیش کیا کہ محمد صلعم صرف قرآن کی تشریح یعنی ظاہری و لغوی معنوں کو سمجھ سکے تھے۔ ان کے اصطلاحی اصلی اور مرادی معنی فقط حاکم بامر اللہ ہی سمجھا۔ جس میں شان الوہیت پائی جاتی تھی۔ حمزہ بڑا زبردست خطیب اور نہایت ہی فصیح و بلیغ شخص تھا۔ اپنی جاد و بیانی سے اُس نے شام کے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال و ہم عقیدہ بنالیا۔

ذرہ ذرہ کا دعویٰ یہ عجیب اعتقاد ہے کہ قرآن کی حقیقت اور اُس کے بزرگوں کی نازل ہونے کے تو معتقد ہیں مگر آنحضرت صلعم کو بڑا بھلا کہتے ہیں۔ یہ مذہب قوت پر چکا تھا۔ کہ خلیفہ الحاکم اپنے جوہ و ستم کے نتیجہ اور خود اپنی بہتست الملک کی خفیہ سازش سے ایک بہانہ کی چوٹی پر مار ڈالا گیا۔ جہاں وہ دھمکی اور خدا کا پیغام لانے کے لیے جایا کرتا تھا۔ اُس کی لاش چند روز تک مخفی رہی جس کے سبب سے اُس کے معتقدین یعنی ذرہ ذرہ نے دعویٰ کیا کہ وہ زندہ جنت میں چلا گیا۔ اور چند روز کے بعد آ کے ابدی سلطنت کرے گا۔ ذرہ ذرہ کے عقائد ان کی مندرجہ ذیل تحریر سے ظاہر ہو جائیں گے:

وہ لکھتے ہیں کہ: "ہمارے سردار حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت"

ہمارے سردار حاکم عمر اسماعیل کے بیٹے تھے جو کہ علی ابن ابی طالب کی نسل سے تھے اور
 ان کی والدہ بی فاطمہ بنت محمد بن عبد اللہ (یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان
 سے تھیں بمصر میں پیدا ہوئے اور پچیس سال سات مہینے قیام کر کے اس دنیا سے رخصت
 ہو گئے۔ رواجی (یا غیبت) سے پیشتر جنھوں نے ایک مقدس فرمان نگاہ کے مسجد میں
 لٹکوا دیا تھا۔ جن امید ہے کہ اگر ان کی مرضی ہوئی تو چند ہی روز بعد پھر دنیا میں تشریف
 لائیں گے۔ اور ایلا آباد تک فرمان فرمائی کرتے رہیں گے نیز وہ لوگ جنھوں نے ان کے دعوے پر
 کو قبول کیا۔ اور نیز وہ جنھوں نے نافرمانی کی غرض تمام مذہبوں کے پیروں اس حکومت میں ان کے زیر
 فرمان ہوں گے۔ مخالفین یا بے بخیر کیے جا دیں گے۔ سالانہ جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہوں گے
 اور اس امر کے پابند کیے جائیں گے کہ مذہبی اقبالیہ کے لیے اپنے لباس پر کوئی خاص
 علامت بنالیا کریں تاکہ فرار پھان لیے جائیں لیکن موحدین (یعنی حاکم کے پیروں) میں
 غیر منتہی زمانہ تک ہمیشہ حکمرانی کرتے رہیں گے ہم ہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد
 بن عبد اللہ (آنحضرت صلعم) کے بعد ایمان کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ ان باتوں
 کے بعد آنحضرت صلعم بہت کچھ برے اور سخت و سست ناموں سے یاد کیے گئے ہیں
 جس فرمان کا ذکر اس تحریر میں ہے اس کی اصلیت یہ ہے کہ حاکم کے مائے
 جاتے ہی ایک تحریرہ مصر کی کسی مسجد میں آویزاں ملی جس کی پیشانی پر لکھا تھا عقائد
 نامہ (یعنی وہ عقائد جو حاکم نے اپنے پیروں کے لیے تجویز کیے تھے یہ عقائد نامہ جو
 اس مذہب والوں میں فرمان کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے فوراً در زمین پھیلا۔ اور
 ان کے مذہب کا اصلی معتقد علیہ قرار پایا۔ حاکم نے اس عقائد نامہ میں پہلے اہل مصر پر
 اپنے احسان جناس جن سب کو جہالت کا الزام دیا ہے۔ اور بالوہی ظاہر کی ہے کہ وہ
 اس قابل بھی نہیں کہ ان پر موند توحید آشکارا کیے جائیں۔ اور قرآن کے باطنی
 معنی ان کی سمجھ میں آئیں۔ وہ وہ اس فرمان کی قرآن سے زیادہ عظیم کرتے ہیں۔

اور اُس کے سامنے احکام قرآنی کی کچھ پروا نہیں کرتے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں میں یہ عجیب فرقہ ہے جس نے اپنے آپ کو قریب قریب تمام اسلامی شعائر اور مذہبی قیدوں سے آزاد کر لیا ہے۔ نہ ختمہ کرتے ہیں۔ نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں نہ سورہ کا گوشت کھانے میں کبھی کسی قسم کا اہل نہیں کرتے اور آمد وراج و نکاح کی بہت سی رسموں اور قیدوں میں بھی شریعت اسلامیہ کا کچھ پاس نہ رکھتے ہیں۔ یہی اسباب ہیں کہ مشہور عربی سیاح ابن بطوطہ ارض شام میں غالباً انھیں لوگوں کو دیکھ کے حیرت میں آگیا وہ کہتا ہے کہ ان کی مسجدیں ویران پڑی ہیں جن میں کبھی کوئی اذان بھی نہیں دیتا۔ اور اگر کوئی مسافر مسجد دیکھ کے ٹھہر جائے اور اذان دے تو اس سے کہتے ہیں: اگر بھئی کی طرح کیوں شور مچاتا ہے۔ چپ رہ دانا چارہ مل جائے گا۔

اُن کی مسجدیں عموماً پھاڑیوں کی جوڑیوں پر بنائی جاتی ہیں۔ اور جیسا کہ میں ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوا۔ آج بھی سب ویران پڑی ہیں۔ اور اس ویرانی کے ساتھ یہ قید ہے کہ سوا دراصل میں لوگوں کے کوئی جانے نہیں پاتا۔ بعدوں یا مسجدوں کے اندر بچھڑے کی ایک صورت کپڑوں میں اوڑھائی لپی رکھی رہتی ہے جو امام غائب کی نشانی سمجھی جاتی ہے اور عام طور پر اُس کی نہایت ہی تعظیم کی جاتی ہے۔ یہ صورت کبھی کسی کے سامنے نہیں دکھائی جاتی اور اُس کی زیارت کے صرف وہی لوگ مجاز سمجھے جاتے ہیں جو دین کی حیثیت سے کوئی بڑا مرتبہ رکھتے ہوں۔ اور نہایت ہی معزز و ممتاز خیال کیے جاتے ہوں۔

کچھ اس صورت ہی پر پختہ نہیں اُن میں ہر مذہبی رسم کے چھپانے کی سخت تاکید ہے۔ مقدس کتاب و دین و دنیا اس صندوق کی نسبت بھی جس میں وہ رکھی ہو بڑی بڑی احتیاطیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ بجز مقدس و محترم لوگوں کے اور کسی کے گھر میں رہ نہیں سکتی اور نہ اس کی اجازت ہے کہ جن تبرک گھر میں ہو اُس سے نکال کے کہیں باہر لے جانی جائے۔ سفید عامہ یا نہ صنان کے مذہبی رواج یا خیالات کے مطابق صفائی قلب اور خلوص نیت

کی دلیل ہے۔

ان کی مذہبی رسموں کی نسبت جو غیرون سے چھپا کے اور نہایت رازداری کے ساتھ عمل میں آتی ہیں لوگوں میں طرح طرح کی بدگمانیاں ہیں جو توہین ان کے آس پاس اور قرب وجوار میں رہتی ہیں انکا دعویٰ ہے کہ دروز لوگ ان صحبتوں میں باہم بچہ کے سخت بے شرمی کے گناہوں اور نہایت ہی معیوب زنا کاری میں مبتلا ہوتے ہیں مگر یہی تحقیق کو بھی نہ لگا سچو کچھہر آقا تم کہ نیکاموقع ملا وہ یہی کہ یہ الزام صحیح معلوم ہوتے ہیں اور جو کچھ کہا جاتا ہے اس صلیت سے خالی نہیں۔

اگرچہ یہ لوگ دولت عثمانیہ کی قلمرو میں رہتے ہیں مگر جنگل پہاڑوں اور پتھر سکنتوں میں کسی غیر کے مطیع و فرمانبردار نہیں ایک عمومی خراج سلطنت ادا کر کے آزادی کا دم بھرتے ہیں اور اکثر ادنیٰ ادنیٰ سوتھوں پہلوہ اور بغاوت کر نیکو تیار ہو جاتے ہیں ان میں ایک قسم کی شخصی حکومت ہر مختلف سردار اور امیر میں جن میں بھی باہم لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں اور وہ سردار بھی صرف اس وجہ سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے سے سلطنت کو خراج دیا جاتا ہے ورنہ دراصل اس کی بھی کچھ نہیں چلتی۔

دروازہ کی عورت میں بھی مذہبی رازداری کی رسموں میں شریک ہوتی ہیں مگر عاشر اور تمدنی زندگی میں ان کی کچھ وقعت نہیں شوہر جب چاہے طلاق دیدے عورت کچھ نہیں کر سکتی اس رواج کو بیان تک ترقی ہوئی ہے کہ کوئی عورت شوہر سے باہر جانیکا اجازت مانگے اور شوہر اجازت دینے وقت "جاؤ کے ساتھ یہ لفظ بھی نہ کہہ دے کہ" اور واپس آؤ" تو زوج پر طلاق بائن عائد ہو جاتی ہے اور وہ جب تک کسی دوسرے کے نکاح میں جا کے طلاق نہ حاصل کرے اسکی بیوی نہیں بن سکتی۔

بچوں کو پڑھنے لکھنے کی بہت کم تعلیم دی جاتی ہے مگر ابتدائے عمر ہی سے لڑکھوٹوں مشورہ و ن من شریک ہونے کے صاحب الزائے لوگوں میں اٹھ بیٹھ کے اور پولیشکل اور فوجی

مشورے شن شن کے بڑے ہوشیار ہو جاتے ہیں کسی اجنبی شخص کو یہ تماشا دیکھ کے حیرت ہو جائے گی کہ قدرے دس دس بارہ بارہ برس کے لڑکے شام و صبح کے پولیسک معاملات صلح و جنگ کے احتمالات گرد ہون کی فوجی لیاقت و قوت اور ان کی انضام پروری و انضامی پر بیٹھے بڑی آزادی سے اسے نہ فی کر رہے ہیں اور مشورے کی صحبتوں میں چھوٹے بڑے اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز نہیں ہے۔

ان باتوں کے ساتھ ان لوگوں میں بے تکلفی اور سادہ مزاجی بھی انتہا درجہ کی ہے۔ قوم کا بڑے ہی بڑا سردار ایک دلی کسان کو بھی دسترخوان پر ساتھ بٹھا کے کھانا کھلاتے نہیں چھپاتا۔ اور یہی سبب ہے کہ ان میں مہمان نوازی کا بھی بہت زیادہ اور غیر معمولی جوش ہے۔ ایسے موقع پر وہ جیسی جیسی فیاضیاں دکھا جاتے ہیں ہمیشہ و حیرت خیز ہیں۔ اور سب لوگ معترف ہیں کہ غریب الوطن کی خدمت کرنے میں کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہ بات انھیں کے ساتھ مخصوص ہے کھانا کھانا مسافر کو دے دیں اور خود بھوکے رہیں۔ دہندہ کو یورپ والوں سے خاص غنا ہے اور ان سفید چمڑے والوں کے انتہا سے زیادہ دشمن ہیں۔ ایک انگریزی سیاح کا بیان ہے کہ ان میں پیشین گوئی کے طریق سے کوئی روایت مشہور ہے کہ کوئی مغربی قوم ان کی آزادی کو غارت کرے گی۔ اور ان کے آرام و آسائش میں فرق ڈال دے گی۔ اس روایت نے انھیں مغربی سچوں کی طرف سے بیان بظن کر دیا ہے کہ بات بات پر توہین کرتے ہیں۔ اور کوئی کسی کو خفا ہو کے گالی دینا چاہتا تو کہتا ہے کہ "خدا تجھے ہیٹ پھانے"۔

ان لوگوں کے خیالات بالکل مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ یہ چند باتیں بھی بڑی شکل سے معلوم ہو سکیں۔ وہ اپنے تمام اخلاقی اور مذہبی امور کو اس قدر پوشیدہ رکھتے ہیں کہ اطمینان اور وثوق کے ساتھ کوئی سیاح ان کے حالات کو نہیں بیان کر سکتا خود عثمانی سلطنت باوجود فرمان فرمائی کے ان کے قومی خصائص اور معاشرے سے بالکل ناواقف ہے۔

سترھویں صدی عیسوی کی ابتداء میں جسے تقریباً دوسو برس کا زمانہ ہوا یورپ الون
 کو ارض شام کے پائرون میں اس بہادر و خود سرفروم اور اس نئے مذہب کا پتہ لگا۔ یورپ میں
 یکا یک مشہور ہوا کہ یہ لوگ حضرت محمد صلم کے دین میں نہیں شامل ہیں جس سے فوراً یقین
 کر لیا گیا کہ مسلمان نہیں ہیں تو خواہ مخواہ عیسائی ہون گے۔ یورپ کے عیسائی جو دولت عثمانیہ
 کی دشمنی و عداوت پر بڑے جوش و خروش سے آمادہ رہتے ہیں اور فتنہ پردازی کے موطن
 ڈھونڈتے رہتے ہیں فوراً اس بات پر مستعد ہو گئے کہ جس طرح جناب معاویہؓ نے باوجود
 ناجائز ہونے کے ملکی ضرورت سے زیادہ کو اپنے نسب میں شریک کر لیا تھا اسی طرح ان
 لوگوں کو اپنا مذہب بھی بھائی بنا کے ترکوں کی قلمرو میں مخالفت اور جھگڑوں کی آگ بھڑکائیں۔ یورپ
 میں اس خیال کا پھیلنا تھا کہ مسیحیت کی ہر مراد ان لوگوں میں ڈھونڈی جائے گی لہذا
 کتاب میں کھل گئیں۔ اور دروز، کافط یورپ کے ناموں اور لفظوں میں ڈھونڈھا جانے
 لگا۔ ایک صاحب نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ کوئی آٹ ذرہ کے پیرو ہیں۔ اور بغیر تاریخی
 شہادت ہم ہونچائے فرض کر لیا گیا کہ اس نام کا کوئی کوئی پہلے صیلبی مجاہدوں کے
 ساتھ ارض مقدس میں آئے شام میں ٹھہر گیا تھا۔ ایک اور صاحب نے گہر نشانی
 کی کہ دروز لوگ تاتاروں میں لوگوں کی نسل سے ہیں جو پہلے ترکوں میں آباد تھے۔ اسی طرح
 اور بھی مختلف رائے قائم کی گئیں۔ خلاصہ یہ کہ اسی قسم کی غلطیاں ہونا شروع ہوئیں جو
 ایک مدت دراز تک اہل یورپ کو خوش کرتی رہیں۔ مگر مدت کے بعد یکا یک معلوم ہوا کہ
 دروز کو عیسائیوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اصل میں یہ مسلمانوں ہی کا ایک بگڑا ہوا
 سرکش فرقہ ہے اور ساری دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ عیسائیوں کا دشمن۔

ہم نے دروز کے حالات کو اس موقع پر ذرا زیادہ طویل دیدیا۔ اور غالباً
 بعض لوگ اعتراض بھی کریں گے کہ حن بن صباح کے حالات میں ایک خارجی بحث کو اس
 قدر طویل دینے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر ہندوستان کے مسلمانوں کو دروز کا حال ابھی خفیہ

روز بروز معلوم ہوا ہے۔ اور لوگ اُن کے حالات دریافت کرنے کے بہت مشتاق ہیں۔
 لہذا اُن کا تذکرہ ملکی ضرورتوں کے لحاظ سے چاہئے ہے مگر امید ہے کہ دلچسپی خالی نہ ہوگی۔
 دروز کے حالات سے لوگ اندازہ کر سکتے ہوں گے کہ خلفائے نبی فاطمہؑ مصر کے تعلق
 کے لحاظ سے چاہئے اُن کو بھی اسماعیلیوں کا ایک فرقہ کہہ دیا جائے مگر اس فرقہ اور اُس کے
 اصول و عقائد کے بانیوں نے آزادی کو بیان تک دخل دیدیا کہ دراصل وہ ایک حد تک
 اسلام ہی سے خارج ہو گئے ہیں۔ مخصوصات سے انکار کرنا۔ خدا کی حرام کی ہوئی
 چیزوں کو حلال کر لینا۔ اور سب پر غضب یہ کہ جناب رسول خدا صلی علیہ وسلم پر طعن و تشنیع
 کر کے زبان کو ناپاک کرنا ایسی باتیں ہیں کہ اسلام کا کوئی مفتی بھی اُن کے حق میں کفر
 کا فتویٰ دینے اور اسلام سے خارج کرنے میں ذرا بھی تاثر کرے۔

سویڈنی اور خضروی

مگر باطنیہ کے اصلی جانشین اور حقیقی پیرو سویڈنی اور خضروی ہیں۔ یہ دونوں
 حضرت علیؑ میں ایک شان الوہیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ارکان مذہب کی طرف سے وہ
 بھی اس قدر بے پردہ ہیں کہ مسجدیں بنواتے ہی نہیں۔ سب سے بڑی عبادت یہ ہے
 کہ حضرت علیؑ کی قبر کی زیارت کے لیے بچھٹا اُتر چلے جاتے ہیں جو عراق عرب میں
 شہر بغداد سے تھوڑی مسافت پر ہے اور جسے ان اسماعیلیوں نے اپنی سب سے
 بڑی زیارت گاہ بنا لیا ہے۔ مکہ معظمہ کے قریب کسی اور مزار کی زیارت کو بھی جاتے
 ہیں۔ مگر اس طرح چھپ چھپ کے کسی کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی کہ کہاں کس جگہ اور
 کس کی قبر ہے۔

خضریوں کا شمار سویڈنیوں سے بہت زیادہ ہے۔ ان کا مستقر قدیم
 شہر مسیاء ہے جہاں باطنیوں کا پرانا قلعہ تھا۔ یہ شہر شہر حماہ سے تھوڑے فاصلے پر ہے۔

خضر یون کا امیر بھی مسیحا مین رہتا ہے۔ اور اسی کی حکومت کو وہ مانتے ہیں
سویلیون کا مرکز و منشاء شہر قرآزہ ہے جو مسیحا کے ماتحت ہے۔

نصیری

ان لوگوں کے قریب ہی نصیریون کا فرقہ رہتا ہے جو قیود مذہب سے آزاد اور
علی مرتضیٰ کی خدائی کے معتقد ہیں اُن سے اور دیگر فرقہ اسماعیلیہ یعنی خضر یون
اور سوبدانیوں سے سخت عداوت ہے جس کا جوش اس صدی عیسوی کی ابتداء میں
اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور وجہ یہ ہوئی کہ نصیریون کا ایک نہایت ہی معزز خاندان جو
نہی سلطان کے نام سے مشہور ہے ایک مدت دراز سے قلعہ مسیحا اور اُس کے قریب
حکمران چلا آتا تھا۔ اسماعیلیوں نے اندر ہی اندر قوت بڑھا کے یکایک حملہ کیا اور اس
علاقہ سے انھیں مار کے نکال دیا۔ مغلوب ہو جانے کے بعد نصیریون نے کئی مرتبہ حملہ
آور ہو کے اپنی ہاتھ سے کھوئی ہوئی وقعت پھر حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر کچھ
زور نہ چلا آخر سب ہلگری چھوڑ کے کمر و فریب اور عیاری و دغا بازی پر آمادہ
ہو گئے اور ان کے چند بچہ بچہ عیار اسماعیلیوں کی سی وضع بنائے اور انھیں کے سے
کٹے پہنے ہوئے شہر مسیحا میں آئے اور اسماعیلیوں کے سے نام تبا کے خضر یون
کے امیر شیخ مصطفیٰ اور یس کے پاس نوکر ہو گئے۔ ان لوگوں نے چند روز میں اُس
اعتبار پیدا کر لیا کہ ہر صحبت میں شریک ہونے لگے۔ اور آخر ایک دن موقع پا کر
اپنے آقا شیخ مصطفیٰ اور یس کو چھریاں بھونک بھونک کے مار ڈالا۔ نصیریون
کو اس کارروائی کی پشت پر خیر و دی گئی تھی۔ چنانچہ وہ چاروں طرف لگے
کھڑے تھے۔ شیخ مصطفیٰ اور یس کے قتل کا شور سنتے ہی ہر جانب سے غل مچاتے ہوئے
نکل پڑے اور جو اسماعیلیاں جان ملا قتل کر ڈالا۔ نصیریون کی یہ تدبیر ایسی لوری

ہوئی کہ سیدیانی و خسروی ہمیشہ کے لیے مغلوب و پامال ہو گئے۔ اور سیاحۃ نصیرین کے قبضہ میں تھا۔ یہ واقعہ شش ماہ کا ہے۔ جب اسے اب تک نصیرین کا دور دورہ ہو۔ اور اسماعیلی اُن کی ماتحتی میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ایران کے بانی

اسماعیلیت اور باطنیت نے جو قسم کی آزادیوں اور اجتہادوں کا دورہ کھول دیا تھا اگرچہ زمانے کے انقلاب سے وہ مغلوب ہو گئے اور محاکک اسلام کا عام مذہب نہ بن سکے مگر اُن کا نہ ہر بلا اٹھ آ کر تک باقی تھا۔ اسی صدی میں ایران میں میرزا علی محمد باب نام ایک عجیب و غریب شخص کی کوشش سے بابیوں کا جو نیا مذہب نمایاں ہوا اور اس وقت تک باقی ہے اُس کی عمارت بھی دراصل باطنیت ہی کے کھنڈروں پر قائم کی گئی تھی۔ سچ پوچھیے تو یہ نیا مذہب بھی حسن ابن صباح ہی کے اصول کا ایک آخری اور زیادہ آئندہ مسلک تھا۔ جو موجودی دولت قاچاریہ کی کوششوں سے دبا ہوا ہے اور پولیس کی جرم قرار دیے جانے کی وجہ سے نہیں اُبھر سکتا۔

حسامتہ

حسن بن صباح کی لائف مذہب باطنیہ کے اصول اور اسماعیلیت کے عقائد کا ایک نہایت واضح اور مختصر خاکہ امید ہے کہ ان گذشتہ بیانات سے ہمارے ناظرین کے ذہن میں پیدا ہو گیا ہو گا۔ اور وہ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ ان تیرہ سو برس کے اندر اسلام کو کیسے کیسے انقلابات

کی ریجسٹر اٹھانی پڑی ہے۔ اور کس کس طرح سے فرقہ کی بنیاد ڈالی گئی۔
 ہم چاہتے ہیں کہ اسلام میں مختلف عقائد کے ظہور اور مذاہب کے پولیشنگ
 تغیرات و انقلابات پر ایک مفصل اور کسی قدر ضخیم کتاب لکھی جائے جس میں
 تقصیب کو دخل نہ ہو اور آزادی و انصاف پسندی سے ہر فرقہ کے حالات
 درج ہوں۔ اگر کسی اور صاحب نے اس کام کو اپنے ذمہ لے لیا تو سبحان اللہ
 ورنہ اگر زمانے نے فرصت دی تو بشرطہ زندگی کبھی ہم ہی توجہ کریں گے۔

والسلام علی من اتبع الهدی

Handwritten notes and signatures:
 The book is...
 The... of...
 H. A. Aliqarsh.
 The... of...
 ۶۰۹۳

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1.00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over-due.

